ایک معمولی لڑکی

ایک معمولی لڑکی

مصنف :۔ بلونت سنگھ

قیمت :۔

اردو پاکٹ بکس (پاکستان) ناظم آباد۔ ۲۔ کراچی۔۸

پاکستان میں اردو پاکٹ بکس کا عظیم الشان اور ملک گیر شہرت کا حامل ادارہ

اردو پاکٹ بکس

جس کا معیار ضرب المثل اور مطبوعات مقبول عام ہیں

ہمارا مقصد نہ صرف اردو کے بلند پایہ مشاہیر کے شاہکار پیش کرنا ہے بلکہ ملکی وغیر ملکی زبانوں کے مفید و مقبول اور گراں مایہ ادب ناول، افسانہ، ڈرامہ، شاعری طنز مزاح، سیاحت، علم و سائنس، اخلاقیات، جنسیات وغیرہ کو اردو کا لباس پہنا کرا... قیمت پر اہل ذوق تک پہنچانا ہے۔ اردو پاکٹ بکس کی تمام کتابیں سفید بڑھیا کاغذ پر فوٹو آفسٹ پر چھاپی گئی ہیں سرورق آرٹ کارڈ کا ہوگا۔ ہر کتاب ایسی کہ نفس مضمون کی وجہ سے بغیر ختم کئے چھوڑنا ناممکن ہے۔

ہماری مطبوعہ کتابیں

جنسیات ہی جنسیات

۱۔ میاں بیوی کے جنسی تعلقات ——
۲۔ جنسی تعلقات کے عجیب و غریب پہلو ——
۳۔ جنسی مسائل ——
۴۔ شادی کے بعد ——
۵۔ عورت مرد ——
۶۔ برتھ کنٹرول (با تصویر) سائنٹفک اور آزمودہ طریقے۔

۷۔ ایک معمولی لڑکی —— مصنف بلونت سنگھ
۷۔ زرگاؤں کی رانی —— " کرشن چندر
۸۔ قتل کا راز (جاسوسی ناول) " رنجیت
۹۔ خلش —— " امرتہ پریتم
۱۰۔ عورتوں کا شکاری (جاسوسی) " قانون والا
۱۱۔ ناگ منی —— " امرتہ پریتم
۱۲۔ بند گلی —— " ہنس راج رہبر
۱۳۔ جگنو اور ستارے (دو ناولٹ) " جیلانی بانو

قیمت فی کتاب ... روپے ... پیسے

ناول ہی ناول

۱۔ ہانگ کانگ کی حسینہ —— کرشن چندر
۲۔ بن بیاہی ماں —— گوربخش سنگھ
۳۔ میلی چاندنی —— گلشن نندہ
۴۔ عورت اور آبشار —— بلونت سنگھ
۵۔ دل کی دنیا —— عصمت چغتائی

(قیمت ...)

افسانے ہی افسانے

۱۔ جوگیا (رومانی افسانے) راجندر سنگھ
۲۔ کانچ کے ٹکڑے (طنزیہ افسانے) کرشن چندر
۳۔ پلنگ (رومانی افسانے) اوپندر ناتھ اشک
۴۔ مہمان (طنزیہ مزاحیہ افسانے) راجندر سنگھ بیدی

قیمت فی کتاب ...

ہر کتاب کی قیمت صرف دو روپے ۵۰ پیسے۔ محصول ڈاک علاوہ

اردو پاکٹ بکس (پاکستان) ناظم آباد ۲ کراچی ۱۸

وہ ہمیشہ ایک مرد سے محبت کرتی رہی لیکن جب اس مرد
نے اس سے کہا کہ آؤ بیاہ کر لیں تو وہ بول بیاہ تو میرا ہو چکا ہے
بس تمہاری محبوبہ ہوں اور زندگی بھر رہوں گی۔ زندگی کے
رنگین خوابوں میں الجھی ہوئی اور ٹھوس حقیقتوں سے ٹکراتی
ہوئی ایک معمولی لڑکی کی کہانی جسے آپ کے پسندیدہ مصنف
بلونت سنگھ نے اپنے زورِ قلم سے غیر معمولی لڑکی بنا دیا ہے
جذبات اور احساسات کا شاندار شاہکار۔

اشاعت اوّل ——— ماہ اگست ۶۲ء

اردو

پاکٹ

بکس

(پاکستان)

(ملت پریس کراچی)

۱

ایک جھلک ـــــــ فضا میں جھلملاتی ہوتی تیز سُرخ رنگ کی اوڑھنی کی صرف ایک جھلک لمحہ بھر دکھائی دی اور پھر وہ .... نظروں سے اوجھل ہو گئی ۔

کیلاش نے بغیر کسی خیال کے ادھر دیکھا تھا۔ پہلے سیڑھیوں پر سے کسی کے دھم سے اترنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے سر اٹھایا اسے معلوم ہو گیا کہ وہ اوشا ہے اور پھر اس کا قیاس صحیح ثابت ہو گیا۔

کھڑکی سے نگاہ ہٹا کر کیلاش نے گھڑی کی طرف دیکھا جس کی سکنڈ والی لمبی سوئی اس تیزی سے حرکت کرتی دکھائی دے رہی تھی کہ اس پر نگاہ جم نہیں سکتی تھی جونہی اسکی نظر سوئی پر پڑی وہ آگے بڑھ گئی، لہراتی ہوئی رنگین اوڑھنی کے مانند۔

یہ اوشا کا خاص انداز تھا۔ معاً شعلے، بلیک کی طرح دکھائی دیتی اور پھر چشم زدن میں روپوش ہو جاتی۔ وہ اس سے پردہ نہیں کرتی تھی۔ لیکن دفعتاً اس طرح اوجھل ہو جانے سے کسی قدر بے چینی بلکہ بعض اوقات بوکھلاہٹ کا اظہار ہوتا تھا۔

کیلاش کو اس کی یہ عادت قطعاً پسند نہیں تھی بلکہ چند مرتبہ اسے اس امر کا احساس بھی ہوا تھا لیکن پھر اس نے خود ہی اپنے آپ کو ڈانٹا کہ آخر یہ کیا حرکت ہے۔ اس کی پسند یا ناپسند کا یہاں سوال ہی کب پیدا ہوتا تھا۔ ان سے ان کا کوئی رشتہ نہیں تھا۔ محض والدین کے تعلقات تھے جن کی بنا پر وہ ان کے وہاں عارضی طور سے ٹھہرا ہوا تھا۔

اس کی نگاہیں قمیض کی تلاش میں تھیں خیال آیا شاید سوٹ کیس میں ہو گی۔ سارا سوٹ کیس تہ و بالا کر ڈالا، لیکن قمیض کا کچھ پتہ نہیں تھا حالانکہ اسے یاد تھا کہ اس نے ڈبل ریٹ پر ایک قمیض لانڈری سے دھلوائی تھی اور اسے یہ بھی اچھی طرح یاد تھا کہ وہ اس قمیض کو گھر پر بھی لایا تھا۔

اسے غصہ آنے لگا۔ کس قدر پھوہڑ عورتیں ہیں اس گھر کی، انہیں اتنا بھی ہوش نہیں ہے کہ کسی کی چیزیں سنبھال کر رکھ دیا کریں...... پھر اسے اپنے آپ پر تاؤ آنے لگا کہ آخر اسے اس بات کا کیا حق تھا کہ وہ گھر والوں سے ان چیزوں کی توقع رکھے۔ وہ اس کا دیا ہوا تو نہیں کھاتے جو چوبیسوں گھنٹے اس کے گرد منڈلاتے پھریں۔

یہ سوچتے ہوئے اس نے تکان زدہ نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ فی الحقیقت کمرے کی ایسی حالت تھی جیسے کوئی عظیم دیو چیختا چنگھاڑتا ادھر سے ہو کر گذرا ہو۔ چیزیں بے ترتیبی کی حالت میں بکھری پڑی تھیں۔ فرش پر نئے پرانے جوتے۔ ٹوٹے پھوٹے کھلونے، بوٹ پالش کی ڈبیاں، برش وغیرہ، چارپائیوں پر میلے کچیلے کپڑے، ازار بند، کھانے کے برتن، رسیوں پر بغیر کور کی پتلونیں تڑی مڑی نکٹائیاں، چھتریاں اور بھنبھناتی ہوئی بے پناہ مکھیاں، کرسیوں پر اخبارات، رسالے، کتابیں۔ دواتیں اور ہولڈر۔ گندگی پھیلانے میں خود اس کا بھی بہت بڑا ہاتھ تھا کیوں کہ سامان کا بہت بڑا حصہ اس کی ملکیت تھا اور وہ وہاں ایسے بے تکے پن اور بے فکرے پن سے رہ رہا تھا جیسے وہ اس کا اپنا مکان ہو۔ جیسے یہاں بھی اس کی ماں اور بہن موجود ہوں جو اپنے اکلوتے بیٹے یا اکلوتے بھائی کی ناز برداریوں میں ہی لگی رہتی تھیں۔

اس نے دل ہی دل میں جھلا کر کہا کہ یہ سب کچھ درست سہی، لیکن سوال تو یہ ہے کہ اب میں کیا کروں، میں یہاں ملازمت کی تلاش میں آیا ہوں، کوئی تفریح کی غرض سے نہیں آیا کہ گھر ہی میں بیٹھا رہوں۔ آخر قمیض کو گھر کی عورتوں میں سے ہی کسی نے کہیں رکھا ہو گا ان سے کون پوچھے

چچی۔ (وہ شراجی کی بیوی کو چچی اور شراجی کو چچا کہا کرتا تھا) نہ جانے کہاں ہیں۔ بچے نا سمجھ ہیں اور جو بڑی ہیں سو لال دوپٹہ اڑاتی گھوما کرتی ہیں۔ بات کرنے سے یوں جان بچاتی ہیں جیسے میں اس کے کان ہی کترلوں گا۔ نہ کام کی نہ کاج کی بس لے دے کے لال دوپٹہ .... وہ کسی گیت کا بول گنگنانے لگا

لال دوپٹہ لادے ہو ہے۔

لال دوپٹہ لادے۔

اسی اثنا میں ادشا بڑی تیزی سے اندر داخل ہوئی۔ اس نے دبی لال چند ریا اوڑھ رکھی تھی۔ کیلاش نے گھبرا کر نہ صرف گنگنانا بند کر دیا بلکہ بوکھلاہٹ میں وہ اپنی قمیص کی بات بھی نہ پوچھ سکا۔ اس وقت تو وہ جھینپ کر بغلیں جھانکنے لگا ـــ نہ جانے بیچاری اوشا نے دل میں کیا سمجھا ہوگا۔ افسوس یہ تھا کہ لال دوپٹہ کا یہ بوسیدہ گیت اسے کیوں کر یاد آگیا اور اگر یاد آہی گیا تھا تو اسے پھر سے گانے کی کیا ضرورت آن پڑی تھی۔ گر اوشا نے گیت نہیں سنا ہوگا اس کے الفاظ اس قدر واضح تو نہیں تھے یا ہو سکتا ہے۔ اس نے بول سن لئے ہوں اور پھر کسی غلط فہمی کے تحت گھر والوں کو بتا دے تو بس شامت ہی تو آجائے گی۔ اُف اسے کہتے ہیں گناہ بے لذت۔

ہندوستان میں عورت بھی عجیب مخلوق ہے اور یہ اوشا تو عجیب تر ہے۔ کوئی اس سے پوچھے کہ بھی تم اس قدر اکھڑی اکھڑی کیوں رہتی ہو۔ اس قدر تکلف کا کون سا مقام ہے اور پھر لطف یہ ہے کہ آپ صورت کے لحاظ سے نہ حور ہیں نہ پری۔ رنگ تقریباً سیاہی مائل گندمی ہے۔ آنکھیں اچھی ہیں۔ ناک چوپٹ ہے۔ ہونٹ شاید رسیلے ہوں، لیکن بظاہر موٹے دکھائی دیتے ہیں۔ دانت منہ سے باہر تو نکلے ہوئے نہیں ہیں، لیکن حجم میں بڑے ہی ہیں۔ ہاتھ پاؤں کی ساخت بھی نازک نہیں ہے۔ بال کسی حد تک گھنے لیکن لمبائی میں بہت کم ہیں۔ چوٹی چوہیا کی دُم کی طرح بھدے پن

سے لٹکتی رہتی ہے........ لیکن مجھے ان چیزوں سے کیا غرض۔ لعنت ہے۔ کیت کے اس بول پر قمیص کا اتا پتہ دریافت کرنے کا سنہرا موقع ہاتھ سے جاتا رہا۔

یہ محض اس کی خوش قسمتی تھی کہ اوشا تھوڑی دیر بعد پھر وہاں آنکلی۔ وہ اس کی جانب بہت کم دیکھتی تھی۔ ہمیشہ رخ پھیر کر کھڑی ہوتی اور بات چیت میں تو اس نے کبھی پہل کی ہی نہیں تھی۔ بلکہ سچ پوچھیے تو بات چیت ہی کب کی تھی۔ زیادہ سے زیادہ اس نے کوئی بات پوچھ لی اور اس نے بمشکل تمام اس کا جواب دے دیا۔ اور وہ بھی اس قدر مدھم آواز میں گویا کہ جیسے جان نکلی جا رہی ہو۔

اوشا ایک زنانے کے ساتھ اندر داخل ہوئی اور آتش دان کے قریب حسب معمول اس کی جانب پیٹھ پھیر کر کھڑی ہو گئی پھر معاً مڑی تو کیلاش نے جی کڑا کر کے پوچھا" میں نے کہا...... اجی وہ ...... وہ میری ایک قمیص تھی ...... لانڈری سے لایا تھا........ نہ جانے کہاں رکھ دی ہے میں نے ...... یا شاید ...... آپ نے دیکھا ہے اسے ...."

اور کیلاش کے کہتے کہتے وہ دروازے سے نصف باہر جا چلی تھی۔ پھر پلٹی اور پلنگ پر تہہ کی ہوئی رضائی کے نیچے سے قمیص نکال کر باہر رکھ دی۔ گڈ گاڈ۔ کیلاش نے سوچا۔ اب یہ کیسے معلوم تھا کہ قمیص رضائی کے نیچے بھی رکھی جاتی ہے۔

ادھر اوشا جھپٹ کر باہر نکل جانے ہی کو تھی کہ کیلاش نے لکنت آمیز لہجے میں کہا" اس کے بٹن ٹوٹ گئے ہیں"

اس پر اوشا پھر کمرے کے ایک گوشے کی جانب لپکی۔ ادھر کیلاش نے قمیص پہن لی ادھر اس نے سوئی تاگا لے کر اس کی جانب اچٹتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔ کیلاش بازو آگے بڑھاتا بڑھاتا رک گیا۔ کیونکہ اتنے میں اوشا کی مدھم قدرے سہمی ہوئی سی لیکن واضح آواز سنائی دی" قمیص اتار دیجیے"

وہ جلدی میں قمیص پہن چکا تھا، لیکن اسے یہ امید نہیں تھی کہ کلائی کے بٹن ٹانکنے کے لئے

اس کی قمیص پھر سے اتروالی جائے گی۔ خیر اس نے قمیص اُتار کر اوشا کی جانب بڑھا دی اور خود پلنگ پر نیم دراز ہو گیا۔

اوشا اس سے بارہ کوس پرے کشادہ دروازے کے عین بیچ میں دہلیز پر بیٹھ کر ٹانکنے لگی۔ اس کی جانب اوشا کی پیٹھ تھی پھر بھی وہ اس کے چہرے کا ایک رخ دیکھ سکتا تھا۔ اس نے دل ہی دل میں ناک بھوں چڑھا کر کہا "میرے جوتے سے" بھلا مجھے کیا پڑی کہ میں شریمتی جی کی جانب دیکھوں؟" اسے یہ بات سوچ کر سخت کوفت ہوتی تھی کہ ایک پنجابی لڑکی ہونے کے باوجود وہ اس قدر گھبرائی سی رہتی تھی اور خواہ مخواہ ذرا دبی گئی تھی۔ سچ پوچھئے تو اس میں رکھا ہی کیا تھا۔ نہ کپڑے پہننے کا سلیقہ نہ بال بنانے کا ڈھنگ نہ بات کرنے کی تمیز اور نہ کام کاج کرنے میں ہوشیار۔ بالکل پھوہڑ کی پھوہڑ۔ اس کا بچپن گاؤں میں زیادہ تر اپنی بوا کے وہاں گزرا تھا جب ہی کسی بات کا ہوش تک نہیں تھا۔ اگر کچھ سوجھتا تھا تو بس یہ کہ بھاگ کر ادھر سے ادھر آ گئیں، ادھر سے ادھر چلی گئیں۔ کچھ پوچھو تو اوّل تو چپ رہیں گی اور اگر بولیں گی تو اس قدر مدھم اور باریک آواز میں کہ سننے والے کے پلے خاک بھی نہ پڑے۔

قدرے تامل کے بعد اس نے دبی دبی نظروں سے پھر اوشا کی جانب دیکھنا شروع کر دیا۔ اس کی نظر بازی کا حقیقت میں کوئی رومانٹک پس منظر نہیں تھا، لیکن اوشا کا اس قدر بچ بچ کر رہنا خواہ مخواہ اسے اس امر پر غور کرنے کے لئے مجبور کر دیتا تھا۔ اگر وہ بلا کی حسین ہوتی تو بھی اسے اطمینان ہو جاتا کہ بھئی اس قدر حسن پر ناز بجا ہے۔ یا پھر موجودہ صورت پا کر وہ اس سے اس قدر کھنچی کھنچی نہ رہتی تو شاید وہ اس کی بابت ایک لمحہ بھر غور کرنے کی ضرورت محسوس نہ کرتا۔ اسے بار بار تعجب ہوتا تھا کہ اتنی معمولی شکل و صورت پر یہ ناز کیوں؟

اوشا بٹن ٹانکنے میں محو تھی۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی اور خوبصورت تھیں اور ان پر

چھنے ہوئے سے لمبی پلکوں والے گندم گوں چہرے پر خاصے بھلے دکھائی دیتے تھے۔ اس کی عمر لگ بھگ پندرہ برس کے قریب ہوگی۔ ہونٹ دراصل موٹے نہیں تھے، لیکن گوشت سے پُر تھے۔ ان کا رنگ صاف تھی، لیکن ان پر پر ان چڑھی ہوئی جوانی کا عجیب سحر انگیز سلونا پن تھا۔ چہرہ گول تھا۔ رخسار دو پکے ہوئے انگوروں کی سی شباہت نظر آتی تھی۔ ناک کی بناوٹ آریائی نہیں تھی بلکہ اس کی ساخت کچھ منگول ناپ کی تھی۔ لیکن نتھنے منگول بھی نہیں تھے۔ منہ کے دہانے کے دونوں گوشے بے حد حساس دکھائی دیتے تھے۔ نتھنوں کے نازک پردوں کی پھڑپھڑاہٹ اور سیاہ متجسس آنکھوں کی چمک سے کسی معصوم جنگلی جانور کا سا وحشیانہ پن ہویدا تھا۔ اس کی چکنی ٹھوڑی بالکل گول نہیں تھی بلکہ اس کے بیچوں بیچ نامعلوم سا گڑھا تھا۔ سب سے بری حالت اس کے بالوں کی تھی۔ اس وقت جب کہ ایکا ایک تیزی سے سوئی چلاتی ہوئی گندی انگلیوں پہ جھکا ہوا تھا۔ اس کے خشک بالوں کی ایک لٹ پیشانی پر آن گری تھی اور اسکے ابرو کو چوم رہی تھی۔ اس کے بال حقیقت میں گہرے بھورے رنگ کے تھے۔ لیکن اس خشک اور بے خم کی لٹ کا رنگ چولہے کی راکھ کے مانند تھا۔

کیلاش کی عمر چھبیس برس سے تجاوز کر چکی تھی۔ صفاچٹ آفتابی چہرے، متناسب خدوخال اور گورے رنگ کے باعث وہ ناصا دلکش معلوم ہوتا تھا وہ اپنی ماں کی آنکھوں کا تارا اور اپنی بہنوں کا دلارا تھا۔ اس کے والد ذرا سخت مزاج کے تھے ان کا خیال تھا کہ ماں کے لاڈ نے اسے بگاڑ دیا ہے۔ لیکن وہ والد کی زد سے باہر ماں اور بہنوں کے جھرمٹ میں بڑے مزے سے زندگی بسر کرنے کا عادی تھا۔ شادی پتاجی نے نہیں ہونے دی۔ وہ کہتے تھے کہ جب تک یہ خود اپنے پاؤں پر کھڑا نہ ہوجائے اس کی شادی نہیں ہوگی۔ پتاجی اس ہٹ دھرمی کی وجہ کیلاش کو ایم۔ اے اور پھر جرنلزم پاس کرنے کے بعد نوکری تلاش کرنا پڑتی۔ لاہور میں اس نے سرکاری ملازمت کے لئے درخواست دے رکھی تھی۔ اسی سلسلے میں وہ یہاں آیا تھا

ابھی اس نے زندگی میں نئی نئی ٹھوکریں کھانی شروع کی تھیں۔

کیلاش کے خیالات کا سلسلہ اوشا سے ہٹ کر کسی اور مسئلہ کی جانب چل نکلا تھا اور وہ قطعاً بھول چکا تھا کہ اس کے خیالات کا سلسلہ دراصل کہاں سے شروع ہوا تھا۔ اتنے میں بلّی کے میاؤں کی سی آواز سنائی دی اور اسے احساس ہوا کہ اوشا قمیص آگے بڑھاتی ہوئی کہہ رہی تھی "لیجئے......."

پھر جسم زمین میں اوشا پرے جا چکی تھی کیلاش نے اس کے پھر تیلے پن سے مرعوب ہوتے ہوئے کہا۔

"ت......ت......تکلیف تو آپ ہوگی، لیکن اگر آپ کو معلوم ہو کہ میرے بوٹ کہاں ہیں......؟"

"اوہ" ہلکی سی آواز آئی" وہ تو گلہری پکڑنے والے ٹوکرے کے نیچے رکھے ہیں۔"

گلہری پکڑنے کا ٹوکرا.........!

ہاں وہ لوگ گلہریاں بھی پکڑا کرتے تھے۔ ایک ٹوکرے کے ذریعہ لیکن اس نے اس کی تفصیلات معلوم کرنے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ کیونکہ ابھی تو وہ ملازمت کی گلہری کا پیچھا کر رہا تھا۔

گلہری پکڑنے کے ٹوکرے کے تلے پڑے پڑے اس کے بوٹوں کی حالت بھی خستہ ہو چکی تھی اس نے سوچا بغیر پالش کے کام نہیں چلے گا۔ ایک بار پھر اس نے تکان زدہ نظریں ادھر ادھر دوڑائیں۔ لیکن خوش قسمتی سے پالش کرنے کا کل سامان فوراً نظر آ گیا اور وہ ایک اینٹ پر اطمینان سے بیٹھ کر پالش کرنے لگا۔ وہ خوش تھا کہ اب کے اُسے اوشا کی مدد کی ضرورت لاحق نہیں ہوئی۔

اوشا کی روانگی کے تین منٹ بعد اس کے پتا جی آ گئے۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ اوشا اس وقت تک وہاں سے جا چکی تھی پتا جی پرانے خیالات کے آدمی تھے۔ سر دست وہ لیٹر بکس کے

ساتھ داد پیچ لڑا رہے تھے۔

ایک نہایت گھٹیا مکردہ اور بھدا ٹین کا بنا ہوا لیٹر بکس (۱) کے دروازے کے آگے لٹک رہا تھا۔ اسے ادشا کے پتاجی کے علاوہ گھر کا کوئی اور فرد ہاتھ نہیں لگاتا تھا۔ لیٹر بکس میں چھوٹا سا تالا لگا ہوا تھا۔ چابی بارھوں مہینے گم رہتی تھی۔ چنانچہ شرما جی بستر سے بدل بدل کر لیٹر بکس گھما کر نیچے کا حصہ الٹ کر اوپر لیجانے اور پھر اس کے منہ میں انگلیاں ڈال ڈال کر بہر وقت چٹھیاں باہر نکالنے میں کامیابی حاصل کرتے تھے۔

لیٹر بکس سے نپٹ کر شرما جی ہانپتے کانپتے مکان کے اندر داخل ہوئے۔

بظاہر شرما جی کی صورت بڑی مردانہ تھی۔ صورت اچھی نہ تھی لیکن مردانہ تیور مضبوط ہاتھ پاؤں، بلی اگرچہ لٹکتی ہوئی گھنی مونچھیں، چھوٹی لیکن چمکدار آنکھیں، آواز گرج دار اور بارعب ____ جسم پولا تھا تو کیا بولتے تو سننے والے کی جان ہوا ہو جاتی ہے۔ ایک جانب دبدبے کا یہ عالم تو دوسری طرف خوش مزاجی کی یہ کیفیت کہ بات بات پر منہ سے پھول جھڑتے تھے۔

پتی دیو کے آنے کی آوازیں سن کر مریل سی شریمتی جی لمبی اداسی کسی گوشے سے سست قدموں سے بڑھتی ہوئی دکھائی دیں۔ آپ عجیب نحوست کا پلندہ واقع ہوئی تھیں۔ کھانا پکانے، سینے پرونے اور گھر کے دیگر کاموں میں تو اچھی تھیں لیکن شرما جی کے برعکس عجیب مریل اور بل ٹوڈوری دکھائی دیتی تھیں۔ ہنسی کھیل اور گانے بجانے سے دلی بیر تھا۔ خشک مزاجی کا حال یہ تھا کہ دنوں کیا ہفتوں بغیر مسکرائے ہی گذر جاتے۔ شاید کبھی کسی پورن ماشی کی رات کو مسکرا دیں تو کہہ نہیں سکتے

بیوی کے بھدے پن سے لٹکے ہوئے ڈھیلے ڈھالے ہونٹ اور کاہلی سے ادھ کھلی سست آنکھوں کو دیکھ کر پتی دیو للکار کر بولا "اجی کہو خیریت تو ہے۔؟"

قدرے تامل کے بعد شریمتی جی نے فرمایا "خیریت ہی ہے۔ کیوں آپ کو کیا دکھائی دیتا ہے۔"

شرما جی نے چوٹ کی" اور تو سب کچھ ٹھیک دکھائی دیتا ہے یہی تم یوں چلی آ رہی ہو جیسے بھری گرمی میں پیاسی گیدڑی پانی پینے کے لئے بھٹ سے باہر نکلتی ہے۔"

اس پر مسز شرما جی نے خشک ہاتھ کے بھدے اشارے سے شوہر کو کیلاش کی موجودگی کا احساس دلایا ادھر یہ بات سن کر کیلاش کی باچھوں سے ہنسی نکلنے سے بال بال رہ گئی۔

کیلاش کی موجودگی کا پتہ چلتے ہی شرما جی اس کی جانب بڑھے اور حسب معمول بلند لہجے میں بولے" ارے کہو بیٹا! کیا کر رہے ہو؟

"جی پالش کر رہا ہوں۔"

"واہ وا...... واہ وا...... دیکھو کیسا سیانا بیٹا ہے۔ اپنے بوٹ خود پالش کرتا ہے بیٹا یہ بڑی اچھی عادت ہے۔ اپنے کام کرنے والا انسان بڑا خوش رہتا ہے جب ہم چھوٹے تھے تو اپنے کپڑے خود دھویا کرتے تھے۔"

وہ کمر پر ہاتھ رکھ کر چارپائی پر بیٹھ گئے اور اپنے بوجھ سے چرچراتی ہوئی چارپائی کی حالت سے بےخبر سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہنے لگے" نہ جانے آج کل کے چھوکروں کو کیا ہو گیا ہے پڑھتے ہیں چوتھے یا پانچویں درجے میں اور ٹھاٹھ ہوتا ہے رئیسوں ایسا۔ لو سوچو ہم بی۔ اے میں پڑھتے تھے، لیکن سادگی کا یہ حال کہ تن پر کرتا اور دھوتی اور پاؤں میں کھڑاؤں......"

باتیں کرنے میں شرما جی کو یدطولیٰ حاصل تھا۔ بیچارا کیلاش ان کی اکتا دینے والی گفتگو کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے جان بچانے کے لئے شرما جی کی باتوں کی بوچھار میں جلدی جلدی بوٹ پالش کئے اور پھر پھرتی سے کپڑے پہننے لگا۔

نہ جانے شرما جی کی باتوں کا سلسلہ کہاں سے کہاں پہنچتا۔ اگر مسز شرما جی ٹوک نہ دیتیں "میں کہتی ہوں باتوں کے دھنی تو ہیں آپ کہیں کوئی کام بھی کر ڈالا کریں۔"

"کیا کام!"

"یہ ہاتھ میں چٹھیاں لیے ہوئے ہو ذرا بتاؤ تو سہی کہ کہاں کہاں سے آئی ہیں۔ میری سمتراں کی بھی کوئی چٹھی ہے۔ جب سے بیچاری کو روگ لگا ہے جی دکھی رہتا ہے میرا۔"

شرما جی نے چونک کر خطوط کو دیکھنا شروع کیا "ہاں بھئی ہے تو سمتراں کی ایک چٹھی۔"

سمتراں اوشا کی شادی شدہ بڑی بہن کا نام تھا۔

"ابھی میں کہوں ذرا پڑھ کے سنا دو۔"

شرما جی نے گلا صاف کر کے بڑے اہتمام سے چٹھی پڑھنا شروع کر دی۔ پتا کی آواز سن کر بچے بھی اکٹھا ہوئے۔ پرماتما کی کرپا سے ان کے بچوں کی تعداد بھی خاصی تھی۔ اوشا سے بڑی ایک سمتراں اور ایک شادی شدہ بھائی اور اس سے چھوٹی دو بہنیں بالترتیب تین اور سات برس کی اور ایک دس سالہ بھائی اور شاید دو بچے مر بھی گئے تھے ــــــ بچوں کے ہجوم میں پتا جی بوکھلا گئے اور "ارے ..... ارے .... رے" کا شور مچنے لگا۔

"پتا جی، پتا جی، کہاں سے آئی ہے چٹھی۔"

"ارے بھائی تم لوگوں کی بہن کی چٹھی ہے۔"

"کب آئے گی؟"

"تمہارا سر.......... اس بیچاری کو پھر دورے پڑنے لگے ہیں۔"

"اوئی ماں"۔ شریمتی جی بے اختیار بول اٹھیں۔

"اوئی ماں کیا" شرما جی نے نقل اتارتے ہوئے کہا "اس نے تمہیں چند دنوں کے لیے بلایا ہے چلی جاؤ نا ذرا۔ ڈھارس بندھ جائے گی بیچاری کی ....."

"ہائے کیسے جاؤں گھر کے دھندے چھوڑ کر .... پر جانا ہی پڑے گا... کبھی نہ کبھی تو۔"

کیلاش کپڑے پہن چکا تھا۔ اس نے اس ہر ونگ سے نکل بھاگنے میں خیریت سمجھی)

۲

ٹہل ٹہل کر کیلاش کی ٹانگیں دکھنے لگیں، لیکن وہ دیوار کے ساتھ بچھی ہوئی بنچ پر بیٹھ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ پرائی کے استعمال کی چیز تھی۔ چنانچہ اس نے تکان زدہ انداز میں ایک پاؤں اٹھا کر بنچ پر رکھ دیا اور رومال سے گردن پر پھوٹتی ہوئی پسینے کی ننھی ننھی بوندوں کو صاف کرنے لگا۔

شروع اپریل کے دن تھے اور دن کو تو خاصی گرمی پڑنے لگی تھی۔ موسم سے قطع نظر یوں بھی وہ دو مہینے کی آوارہ گردی سے گھبرا اٹھا تھا۔ اس نے دو تین جگہ عرضی دے رکھی تھی شاید کہیں مقدر لڑ جائے۔ انگریز کی حکومت تھی بغیر سفارش و رسوخ کے کچھ بھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ متعدد بڑے آدمیوں کی کوٹھیوں کا بھی طواف کر چکا تھا، لیکن اس کی تقدیر کا فیصلہ ہونے میں نہیں آتا تھا۔

آج بھی وہ اسی سلسلے میں ساہنی صاحب سے ملنے آیا تھا۔ مسٹر ساہنی فنانس میں کسی اچھے عہدے پر فائز تھے۔ اس کے والد صاحب نے بتایا تھا کہ صاحب موصوف کسی زمانے میں ان کے بڑے گہرے دوستوں میں سے تھے اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ برخوردار کیلاش کی ہر ممکن مدد کریں گے۔

کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد جب اسے اندر بلایا گیا تو دیکھا کہ حضرت ایک چوکی پر بیٹھے ہیں۔ حجامت کا سامان قریب دھرا ہے اور خود نہایت میلی کچیلی دھوتی اور بنیائن میں ملبوس دو سکھ دوستوں سے بات چیت میں محو ہیں۔ جب وہ پہنچا تو انہوں نے سرسری نظر سے

اس کی جانب دیکھا۔ رسمی طور پر دو ایک فقرے بھی کہے اور پھر فوراً اپنے دوستوں کی جانب متوجہ ہو گئے۔

کہیں پون گھنٹے کے بعد وہ اصحاب خدا خدا کر کے رخصت ہوئے۔ ان کے جانے کے بعد ساہنی صاحب اس سے مخاطب ہو کر بولے "اچھا بیٹھو میں اشنان کر لوں ذرا۔"

اشنان کر کے آئے تو معلوم ہوا کہ وقت کم ہے اور انہیں جلد دفتر پہنچنا ہے اور اس سے پہلے کھانا بھی کھانا ہے۔ اس عجلت میں ساہنی صاحب نے خشک لہجے میں دریافت کیا "کہو بھئی کیسے آنا ہوا........"

اس افراتفری میں کیلاش نے بے کم و کاست اپنے حالات بیان کر دئیے۔ لیکن صاف ظاہر ہوتا تھا کہ ساہنی صاحب کا دھیان اس کی باتوں میں نہیں تھا۔ بالآخر بول اٹھے "بھئی دیکھو میرے دفتر میں آؤ........ آج تو اہم میٹنگ ہے۔ کل بھی مجھے فرصت نہیں ہو گی....."

"پرسوں حاضر ہو جاؤں؟" اچھا ہاں....... پرسوں آؤ........."

"کے بجے؟"

"یہی دس بجے...... آئی ایم سوری مین، ساڑھے گیارہ بجے کے قریب آنا......"

گفتگو ختم ہو گئی۔ کچھ دیر کے لئے "فکر کی کوئی بات نہیں میں کسی سے کہہ دوں گا سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

یہ پرسوں کا ذکر تھا اور آج وہ ساہنی صاحب کے دفتر پہنچ کر ان کے کمرے کے دروازے کے آگے چہل قدمی کر رہا تھا پہلے تو ساہنی صاحب اپنے کمرے سے غائب تھے۔ آدھ گھنٹے کے بعد آئے تو شاید اسے پہچانا نہیں یا بے خیالی میں اس کے سلام کے جواب میں یوں ہی سر کو جنبش دے کر کمرے کے اندر داخل ہو گئے۔

کیلاش چٹ پر اپنا نام لکھ کر پہلے ہی سے اندر بھیج چکا تھا۔ اس نے سوچا بلا

بیں گے۔ اس ادھیڑبن میں بیس منٹ اور گزر گئے۔

اب اسے بھوک بھی لگ آئی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس منٹ کا کام ہوگا، لیکن ایک گھنٹہ گزر جانے کے بعد اس نے ایک مرتبہ پھر چپراسی سے ملتجیانہ انداز میں کہا" بھئی ذرا دیکھو۔۔۔۔ صاحب کو یاد دلا دو کہ ہم باہر کھڑے ہیں۔۔۔۔۔"

چپراسی کے جی میں نہ جانے کیا آئی۔ غالباً بابو جی پر رحم آگیا۔ اس نے صاحب کو اس کی چٹ دوبارہ دکھلائی تو حکم ملا" آنے دو"

"صاحب بولتے ہیں آنے دو" چپراسی نے باہر آکر کہا۔

اس پر کیلاش ایک مرتبہ پھر چوکنا ہوگیا۔ اس نے ایک نگاہ اپنے کپڑوں پر ڈالی اور اندر داخل ہوگیا۔

ساہنی صاحب نے ایک کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تکان زدہ لہجے میں پوچھا "ہاں بھئی وہ کیا بات تھی؟

کیلاش نے سارا قصہ دہرایا۔۔۔۔۔۔ ساہنی صاحب نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا "فائل دیکھ لوں"۔ پھر چلتے ہیں"۔

وہ چپ ہوگیا بیس منٹ اور گزر گئے۔

اس دوران میں کیلاش کمرے کا جائزہ لیتا رہا لیکن وہ اپنی جگہ سے ذرا بھی نہیں ہلا۔ مبادا ساہنی صاحب کی یکسوئی میں فرق آجائے۔

دفعتاً ساہنی صاحب ہلے، اٹھے اور دروازے کی جانب چل دئیے۔

کیلاش تذبذب میں تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے اتنے میں آواز سنائی دی آؤ۔

وہ فوراً اٹھ کر ان کے پیچھے ہولیا۔

اب وہ آگے پیچھے سیڑھیاں اترتے چڑھتے گھومتے پھرتے ایک کمرے کے آگے پہنچ کر رک گئے ساہنی صاحب کمرے کے اندر داخل ہو گئے اور وہ باہر کھڑا رہا اور پھر وہ بھی ایک دھچکے کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

اندر ایک صاحب بڑی تمکنت سے کرسی پر تشریف فرما تھے۔ ساہنی صاحب بغیر کسی تمہید کے بولے:۔ "یہ میرے ایک دوست کے لڑکے ہیں۔ انہوں نے نوکری کے لئے عرضی ......"

"کہاں دے رکھی ہے؟"

"جی! اے۔ آئی۔ آر میں ......"

"اے۔ آئی۔ آر میں ایپلی کیشن دے رکھی ہے ...... کیا جاب ہے؟"

"جی، سکرپٹ رائٹر ...."

"اسکرپٹ رائٹر کی جاب کے لئے .... ذرا تم خیال رکھنا ...." مسٹر بھٹ کے چکنے چوپٹ چہرے پر زندگی کے آثار پیدا ہوئے "اویس ..... بائی آل مینز ......"

جس بے دلی سے ساہنی صاحب نے سفارش کی تھی اور جس عجلت سے بھٹ صاحب نے ہاں میں ہاں ملائی تھی اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ کام ہونے کا نہیں۔

"کیا نام ہے آپ کا؟ بھٹ نے سوال کیا۔

"کیلاش ناتھ کیلا"

"کیلا ......" بھٹ صاحب کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا ...... اس قسم کی غلطی کی دونوں میں سے کسی کو امید نہیں تھی۔

"ایم سوری" ...... بھٹ نے جلدی سے کہا "اچھا تو میں نام نوٹ کئے لیتا ہوں"۔ اور یہ کہتے کہتے انہوں نے جٹ پٹ پیڈ پر نام نوٹ کر لیا۔

ان سے رخصت ہو کر جب کیلاش دفتر سے باہر کی جانب لپکا تو وہ خوش تھا اس لئے نہیں کہ اسے کام بنجانے کی امید تھی بلکہ اس لئے کہ ایک تو بھٹ کی غلطی کی وجہ سے فضا ذرا ناخوشگوار ہو گئی تھی اور دوسرے زیادہ خوشی اسے اس امر کی تھی کہ آخر یہ جنجال بھی کٹ گیا۔ اب وہ آزاد تھا جہاں جی چاہے جا سکتا تھا۔ پہلے تو وہ کھانا کھانا چاہتا تھا۔ بھوک کے مارے اس کا بُرا حال تھا اور دو دو انگریزی فلم دیکھ کر سارے دن کی کوفت دور کرنا چاہتا تھا۔ وہ ٹھنڈی سڑک کی دوکانوں کے آگے سے تیزی سے گزرتا چلا جا رہا تھا کہ دفعتاً اسے اپنے کندھے پر دباؤ کا احساس ہوا۔ اس نے گھوم کر دیکھا تو ایک نا آشنا شخص کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔

اجنبی لمبے قد کا دبلا پتلا انسان تھا۔ اس کی پھیلی ہوئی مسکراہٹ کے باعث اس کی اونچی ناک کے گوشوں پر متعدد سلوٹیں دکھائی دے رہی تھیں۔ اس کے پتلے حساس ہونٹ پھڑک رہے تھے۔ اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکراتے ہوئے کہا "کہو دوست! تم نے مجھے پہچانا نہیں شاید........"

کیلاش نے معذرت چاہی "آئی ایم سوری ...... آپ کون صاحب ہیں؟"

"میں نوتن ہوں"

"نوتن ......" کیلاش نے ذہن پر دباؤ ڈالا۔

نوتن دی گریٹ" اجنبی نے پھر کہا۔

"اوہو......" بڑی مشکل سے یاد آئے۔ دونوں نے بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ جلدی میں دو چار باتیں ہوئیں۔ کیلاش نے پوچھا "بھئی میں نے تو سنا تھا کہ تم ولایت چلے گئے ہو..."

"یہ درست ہے، ایک مدت تک میں انگلینڈ میں رہا اور کچھ عرصہ کے لئے امریکہ بھی گیا تھا لیکن اب دو برس سے انڈیا میں ہوں"

"دو برس سے" کیلاش نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا!

"ہاں ـــ لیکن میں کیا کرتا۔ پرانے ساتھی تتر بتر ہو گئے تھے۔ کسی کا پتہ معلوم نہ تھا مجبوراً خاموش رہنا پڑا۔"

کیلاش نے اس کا عذر قبول کر لیا اور ایک مرتبہ پھر اس کا ہاتھ دبایا اور پیشتر اس کے وہ کچھ کہتا نوتن نے کہا۔ "معاف کرنا اس وقت میں ذرا کام سے جارہا ہوں لیکن اگر تمہیں فرصت ہو تو آج شام کو کہیں مل بیٹھیں۔ ایک یُگ بیت گیا جب ہمارا تمہارا دن رات کا ساتھ تھا۔ بہت کچھ کہنا اور سننا ہے.........."

"ضرور ضرور ـــ کہاں ملو گے۔ بھئی کوئی تنہائی کی جگہ ہونی چاہیئے یا کم از کم ایسی جگہ ہو جہاں دوسرے مداخلت نہ کر سکیں۔"

"یہاں میری جان پہچان کے آدمی بہت کم ہیں۔ مجھے اس بات کا خدشہ نہیں ہے۔"

"یہی حال میرا ہے۔ میں خود نووارد ہوں ...... اچھا تو ونگر سوٹ کرے گا۔"

"ضرور۔"

"ٹائم؟"

"سکس۔"

"اوکے۔"

"آل رائٹ۔ دی میٹ اگین چیریو۔"

"چیریو۔"

دوست سے رخصت ہو کر کیلاش سیدھا اسٹینڈرڈ ہوٹل پہنچا اور ہاتھ دھو کر باکس میں جا بیٹھا۔ مینو (MENO) پر نظر دوڑائی۔ بیرا آیا اور آرڈر دیا۔ ایک ٹومیٹو سوپ، گرلڈ چکن

امریکن سلاد، دن کوتا کافی، بالترتیب۔"

سب سے پہلے اس نے سامنے پڑے اخبار میں میٹنی شو شروع ہونے کا وقت دیکھا تین۔ ابھی پونے دو کا ٹائم تھا۔ وہ بڑے آرام سے ایک گھنٹہ میں کھانا وانا کھا کر مزے سے کافی پی کر فلم شروع ہونے سے پندرہ منٹ پہلے سنیما ہاؤس پہنچ سکتا تھا۔ وہ خوش تھا۔ نوتن سے ملاقات کا اس کے دل پر خوشگوار اثر ہوا تھا۔ مہینوں سے وہ اس نئے شہر میں بے یار و مددگار دھکے کھاتا پھر رہا تھا۔ کم از کم ایک دوست تو ملا۔ اس کے دل میں نوتن کی بابت کئی سوالات پیدا ہوئے۔ پھر اس نے سوچا کہ شام ہی کو تو ملاقات ہونے والی ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں اُسے زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

دسویں جماعت تک ان دونوں کا ساتھ رہا تھا۔ نوتن پڑھائی میں پورے درجے کا بے پڑھ والڑ کا تھا، لیکن تھا بے حد ذہین۔ اس کا ذہن رسا دوسری کئی قسم کی الجھنوں میں گرفتار رہتا تھا شرارت بھی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

کھانا، کافی اور پھر پکچر۔۔ اِن سب چیزوں سے فارغ ہو کر کیلاش نے گھڑی پر نگاہ ڈالی تو چھ بجنے میں چالیس منٹ باقی تھے۔ کچھ وقت اس نے اِدھر اُدھر گھوم کر گزارا۔ وقت مقررہ سے پندرہ منٹ پہلے وہ تنگ آ کر ونیگر میں داخل ہو گیا۔ اس نے سوچا کچھ دیر وہاں بیٹھ کر نوتن کا انتظار کر لوں گا۔ لیکن اس کے تعجب کی کوئی حد نہ رہی جب اس نے نوتن کو پہلے سے وہاں منتظر پایا

"بھئی واہ۔" کیلاش نے اس کے پاس پہنچ کر کہا، مجھ تو اس خیال سے کوفت ہو رہی تھی کہ ابھی پندرہ منٹ تک تمہارا انتظار کرنا پڑے گا۔"

"واہ دوست! اسی پرتے پر محبت کا دعویٰ کرتے ہو۔ پندرہ منٹ کے انتظار کے خیال ہی سے گھبرا گئے۔ ایک ہم ہیں کہ جناب کا ایک مدت سے انتظار کر رہے ہیں۔"

کیلاش نے کرسی میں دھنستے ہوئے تعجب سے پوچھا "کیوں کب سے انتظار کر رہے ہو میرا ؟"

"اُسی وقت سے "

"کس وقت سے ؟"

"جب سے تم ملے "

"تو بھئی اسی وقت کہہ دیتے

نوتن نے مسکرا کر سگریٹ جلایا اور ایک قیمتی سگریٹ کیس اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا "

اس وقت تم بڑی تیزی سے چلے جا رہے تھے اس لئے میں نے ناجائز دباؤ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا۔

"کمال ہے ـــ بھئی مجھے سچ مچ بہت افسوس ہے اس بات کا۔ حالانکہ مجھے کوئی کام نہیں تھا بلکہ میں تو اس خیال سے چپ رہ گیا کہ شاید تمہیں کوئی ضروری کام ہو کیونکہ تم نے خود ہی ...."

"وہ سب کچھ تمہاری خاطر تھا مائی ڈیر ..... خیر چھوڑو ان باتوں کو میں نے ایک واقف کار کو پکڑ لیا تھا کچھ دیر بیئر پیتے رہے۔ پھر کھانا کھایا۔ وہ رخصت ہو گئے۔ میں نے اسی میز پر بیٹھے بیٹھے دو خط لکھ ڈالے .... اب بھول جاؤ اس واقعہ کو ...... یہ بتاؤ کہ کیا کرتے ہو۔ لاہور میں کہاں اور کب سے قیام ہے "

"مائی ڈیر کام کوئی بھی نہیں ہے جو بتاں جھنجھلاتا ہوں۔ البتہ قیام عارضی طور سے والد صاحب کے ایک دوست کے یہاں ہے۔ ایک دو جگہ درخواستیں دے رکھی ہیں ملازمت کے لئے "

"تو یوں کہو ابھی تک گلچھرے اڑاتے رہے ہو "

"ارے ہمارے تقدیر میں گلچھرے کہاں۔ گلچھرے تو تم نے اڑائے ہوں گے کبھی یورپ میں کبھی امریکہ میں ـ

"ہاں دوست مجھے اِس بات سے انکار نہیں لیکن میں نے اپنے آپ کو کئی مشکلات میں ڈالا

ہے اور اس کے ساتھ ساتھ مزے بھی خوب اڑائے ہیں۔ چائے کا آرڈر دے دیں بھائی۔"

"چائے کا آرڈر دے دیا گیا ہے۔"

اس کے بعد بڑی دیر تک نوتن یورپ کے ممالک کے حالات اور اپنی دلچسپیوں کی داستانیں سناتا رہا۔ اس کے انداز بیان میں عجیب قسم کا ٹھہراؤ تھا اور اس کی گفتگو پر کیلاش کو اس پر بے اختیار رشک آرہا تھا

بالآخر نوتن نے کہا "بھئی ہم تو اپنا کچا چٹھا بیان کر چکے۔ اب تم کہو اسکول کے بعد تم کیا کچھ کرتے رہے۔"

اور اس کے بعد کیلاش نے بھی اپنے حالات بیان کئے۔ باتوں باتوں میں کافی وقت گزر گیا جب ان دونوں کی گفتگو آخری منزل پر پہنچی تو نوتن نے کہا "تمہیں بتا ہی چکا ہوں میں بمبئی کی فلمی لائن میں گہری دلچسپی لے رہا ہوں دو تین اچھی مالدار اسامیاں میری مٹھی میں ہیں۔ آزادی ہمارا پہلا کھیل تھا لیکن فرنگی کی حکومت نے (BAN) کر دیا۔ اس سے مالکوں کو لاکھوں کا نقصان پہنچا۔ بھئی غیروں کی حکومت ہے اس سے میری ساکھ کو بہت بڑا دھکا پہنچا۔ لیکن اب پھر دیکھو! اگر کوئی کام نہ ملے تو میرے پاس آجانا جو بن پڑے گا سو کروں گا۔ یونہی اپنا دل میلا نہ کرنا۔

"بھئی دیکھا جائے گا۔ تمہاری دعا بھی یہی ہونی چاہئے کہ یہیں کوئی کام بن جائے ورنہ بمبئی کا رخ کیا تو والد صاحب کہیں گے لونڈا بدمعاش ہو گیا جبھی فلموں میں چلا گیا ہے۔"

"خیر میں ہر وقت حاضر ہوں جب ضرورت ہو بلا تکلف لکھنا اور ہاں بھئی خط و کتابت جاری رہے گی نا۔"

اس کے بعد کیلاش دوست سے رخصت ہو کر گھر کی جانب چل دیا۔

چائے کے ساتھ بہت کچھ کھا لیا تھا اس لئے بھوک نہیں تھی سوچا کہ جا کے چپکے سے سو رہیں گے۔

نوتن سے ملاقات کی خوشگوار یادیں ذہن میں لیے وہ پیچ در پیچ نیم روشن گلیوں کو لمبے لمبے قدموں سے ناپنے لگا۔ اس وقت گلیوں میں خوب چہل پہل ہو رہی تھی۔ بڑوں بوڑھوں کی ریل پیل کے علاوہ چھوٹے بچوں نے عجیب ادھم مچا رکھا تھا۔ وہ محلے کے کتے سے بچتا ہوا نچے کے مکان کے آگے جا پہنچا۔

اندر داخل ہوا تو وہاں بھی بچوں نے ایک ہنگامہ بپا کر رکھا تھا۔ صحن ایک تھا گھرانے تین چار بعضوں نے وسیع صحن میں سونا شروع کر دیا تھا اور بعض افراد ابھی کمروں کے اندر ہی سوتے تھے۔ آثار سے ظاہر ہوتا تھا کہ ابھی اس کا بستر نہیں بچھا ہوگا۔ یوں بھی ابھی دیر نہیں ہوئی تھی کمرے میں خوب زور زور سے باتیں ہو رہی تھیں گویا محفل گرم تھی۔ کیلاش ذہنی اور جسمانی تکان محسوس کر رہا تھا چنانچہ وہ ایک الگ تھلگ جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔ جہاں دو تین گول کئے ہوئے بستر دھرے تھے۔

پھر وہ گھر کی کائیں کائیں سے بے پروا ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی مدھم روشنی میں چارپائی پر نیم دراز ہو گیا۔ معاً اُسے کسی کی قربت کا احساس ہوا۔ نظر اٹھا کر دیکھا تو اوشا ہاتھ میں گلاس لئے کھڑی تھی۔ "کیا ہے؟" اس نے پوچھا

"چائے۔"

"چائے ـــ چائے تو میں آج پی چکا ہوں۔ اب نہیں پیوں گا۔"

عجیب لہجے میں تھرتھرائی اور سرسراتی آواز آئی "تو میں یونہی اتنی دیر سے آپ کے انتظار میں چائے لئے بیٹھی رہی۔"

"اوہ!" کیلاش کا ذہن تلا بازی سی کھا گیا۔ اس نے بے اختیار چائے کا گلاس تھام لیا۔ اور اچٹتی ہوئی ایک نظر اس پر ڈالی۔ مدھم روشنی میں اس نے اس کی آنکھوں میں عجیب وحشیانہ چمک دیکھی لیکن بیشتر اس کے کہ وہ آنکھیں جھکا لیتی یا نگاہ پھیر لیتی۔ اس نے خود نظریں جھکا لیں۔

چائے کا گلاس کیلاش کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن اس کے ذہن میں ایک طوفان برپا ہو چکا تھا۔

وہ خاصا قبول صورت جوان تھا اس لئے لڑکیوں کے معاملے میں بدقسمت واقع نہیں ہوا تھا لیکن اوشا کا حملہ اس قدر اچانک اور خلاف اُمید تھا کہ ایک لمحہ کے لئے اسے زمین اپنے پاؤں تلے سے سرکتی محسوس ہوئی ۔

اس نے گھونٹ در گھونٹ چائے پینی شروع کی اور اس کا ذہن سارے واقعات کا جائزہ لینے لگا ۔

پہلے پہل باوجود کوشش کے وہ کچھ نہیں سوچ سکا ۔ اوشاہ کی مترنم آواز کی جھنکار سے اس کے ذہن کا ایوان ایک بار گونجا تو بہت دیر تک گونجتا رہا ۔

اوشا نے کس ڈرامائی انداز میں یہ نئی کروٹ بدلی تھی ۔

وہ تنہائی پسند، اس سے ہمیشہ آنکھ چرانے اور کنی کترانے والی سیدھی سادی معصوم لڑکی کیا اس کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی ؟ لیکن اس کی صورت اسے کچھ ایسی پسند نہیں تھی اور اسے کبھی خواب میں بھی خیال نہیں آیا تھا کہ وہ کبھی اس لڑکی سے بھی محبت کر سکتا ہے یا وہ لڑکی بھی اپنے سینے میں اس کی محبت کا دم بھر سکتی ہے ۔ اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ وہ اس سے نفرت کرتا تھا بلکہ اس سے محبت کرنا وہ اس قدر بعید از قیاس سمجھتا تھا کہ اس قسم کے سوال اٹھتے ہی اس کے ذہن میں بہت پیچیدہ سی الجھنیں پیدا ہونے لگیں ۔

کتنی عجیب بات تھی، کہاں تو اس کے سائے سے دور بھاگنا ۔ یونہی بیجا حد تک شرمانا ۔ اِس سے ہمیشہ پرے پرے رہنا ۔ اور پھر کہاں ایک دم اِس قدر قربت، یگانگی، ایثار اور محبت کا اظہار

چائے پی لینے کے بعد وہ پھر نیم دراز ہو گیا اور باوجود کافی غور و خوض کے وہ مکمل طور پر اس چیز کا احساس نہیں کر سکا کہ آخر اسے ہوا کیا ہے ؟

کسی لڑکی کی آواز میں اتنا ترنم، ایسا جادو، ایسی لرزش، اتنی کشش، اس قدر لوچ اور

ملائمت، ایسی شیرینی اور رس بھی ہو سکتا ہے۔ اسے اس بات کا پہلے کوئی علم نہیں تھا۔

وہ اس سے اِس قدر پرے رہتی تھی۔ یہ بجائے خود عجیب بات تھی۔ لیکن اب اس کا اس سے اس قدر تیز و تند بحث کرنے لگنا تو اس سے بھی زیادہ عجیب بات تھی۔ اس قسم کی اٹکل پچّو اور بے سروپا باتیں ذہن میں آنے کے بعد معاً اس کے ذہنی افق میں ایک نامعلوم سا خلا پیدا ہو گیا جیسے اتھلے پانی کے تالاب میں بھاری بھرکم چٹان کے گرنے سے پانی دفعتاً پھٹ جائے۔ اب یہ خلا کیونکر اور کس شئے سے پُر ہو سکے گا۔ اس خیال سے اس کی روح پر نامعلوم سی پریشانی جھنجھناہٹ کا سُرمئی بادل منڈلانے لگا۔

وہ اپنے گوشۂ تنہائی میں زیادہ دیر تک بیٹھا نہ رہ سکا۔ بغیر ادھر اُدھر دیکھے اور بنا یہ خیال کئے کہ اوشا کہاں ہے کدھر ہے؟ اس وقت اس کی صورت کیسی ہو رہی ہے؟ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اندر والے کمرے کی جانب بڑھا جہاں سب لوگ بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

شرما جی نے اسے دیکھتے ہی نعرہ لگایا۔ "ہیلو بیٹا آ گئے، بڑی دیر لگا دی تم نے۔ بیٹا جلدی آیا کرو — دیکھو تمہارے بغیر تو بہت بے رونقی رہتی ہے گھر میں۔"

کیلاش نے قدرے شرما کر جواب دیا۔ "جی ایک پرانے دوست مل گئے تھے انہیں سے بات چیت کرنے میں دیر ہو گئی۔ یوں بھی میں بیس پچیس منٹ سے تو باہر صحن میں بیٹھا تھا"

"صحن میں، ارے کیوں واہ جی واہ ہم تو تمہیں یاد کر رہے تھے۔ تمہاری چچی کہہ رہی تھیں کہ کیلاش بیٹا نہیں آیا ابھی تک ——"

"تھکا ہوا تھا سوچا تھوڑی دیر آرام کر لوں"

"تو یوں کہو نیند آئی ہے —— (بیوی سے) بھئی بستر بچھا دو نا بیچارے کے لئے۔"

"جی نہیں نیند تو بالکل نہیں آئی۔ یونہی تکان سی محسوس ہو رہی تھی۔ ابھی میں آپ کے پاس بیٹھ

کر آپ کی باتیں سنوں گا۔"

"بڑے شوق سے بیٹھو۔ تمہارے پتاجی کا ذکر ہو رہا ہے۔ جانتے ہو تمہارے پتاجی سے ہماری کب کی دوستی ہے؟"

"معلوم نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ بہت پرانی ہے۔"

اب شرماجی نے ایک طویل قصہ چھیڑ دیا۔ جب سے انہوں نے ہوش سنبھالا تب ہی سے دونوں دوست تھے۔ دن میں دس بار لڑتے پھر بھی شام کو اکٹھے کھانا کھاتے تھے۔

اس دوران میں ادشا بعض کاموں کے سلسلے میں اس کمرے میں بھی آتی رہی لیکن اس نے سر اٹھا کر اس کی جانب نہیں دیکھا۔ وہ اس کے پھرتی سے اٹھتے ہوئے گندم گوں پاؤں کو دیکھتا رہا

آخر کار چچی بول اٹھیں "ذرا سنئے میں کیا کہتی ہوں۔ آپ نے چابی کے کھلونے کے مانند ایک مرتبہ باتیں کرنی شروع کر دیں تو بس کرنے ہی میں نہیں آتے۔"

"ہاں بھئی کہو تم، جو کسر باقی ہے وہ بھی کہہ ڈالو۔" شرماجی مونچھیں پھٹکار کر بیوی کے گرد ہو گئے

چچی نے پھر کہا۔ "خفا نہیں ہوں۔ یوں ہی بے پر کی اڑاتے ہو کام کی بات کرو۔ کوئی میں یہ کہہ رہی تھی کہ سسرال کی چھٹی کو آئے بارہ دن بیت گئے ہیں۔ اب بتاؤ تم ہو آؤں وہاں سے؟

اسی اثنا میں کیلاش نے محسوس کیا کہ ادشا سب کام نپٹا کر اندر آ گئی ہے۔ چند لمحوں تک وہ شرماجی اور ان کی دھرم پتنی کی باتوں میں دلچسپی لیتا رہا۔ پھر اس نے رفتہ رفتہ نظریں اٹھائیں۔ بھائی بہنوں اور ماتا پتا سے پرے ادشا لیمپ کے تھرتھراتے ہوئے سائے تلے بیٹھی تھی۔ جب کیلاش کی نظر اس پر پڑی تو وہ سر نہوڑائے زمین کی جانب تک رہی تھی۔ شاید اس نے بھانپ لیا تھا کہ کیلاش کی نظریں اس کے تعاقب میں بڑھی چلی آ رہی ہیں۔ مدھم روشنی میں بھی اس کے خدوخال بالکل صاف اور واضح طور سے دکھائی دے رہے تھے۔ اس کی بڑی بڑی

آنکھیں خوش وضع پپوٹوں تلے چھپی ہوئی تھیں۔ وہ ہاتھ کی ہتھیلی فرش پر ٹیکے ہوئے تھی اور سر کے بیچوں بیچ اس کی احتیاط سے نکالی ہوئی دودھیا مانگ چمک رہی تھی۔

اب کیلاش کی زندگی کے لمحوں میں ہلکا سا گلابی رنگ مل گیا تھا۔ دل کے تاروں پر کوئی انگلی پریم کی دھن بجاتی رہتی تھی — اگر یہ صحیح ہے کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے تو جس طرح عشق کا دعویٰ نہ ہونے پر بھی اس کے دل میں ایک سحر کن خیال کروٹیں لیتا رہتا تھا۔ اس سے اوشا کی دلی کیفیت کی شدت کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ وہاں تو قیامت ہی برپا ہو چکی تھی۔

بظاہر اس طوفان کے آثار دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اوشا کی چلت پھرت اور کام کاج کرنے کے پروگرام میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ پہلے کے سے انہماک کے ساتھ دن رات کام میں جٹی رہتی۔ اب بھی وہ اس کے سامنے سے اسی تیزی کے ساتھ گذر جاتی تھی۔ اس رات کے بعد اوشا نے اور کوئی ایسی حرکت نہیں کی کہ جس سے کوئی غیر معمولی بات ظاہر ہو۔ نظر بازی، ہنسی مذاق، چھیڑ چھاڑ کا تو خیر کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا بلکہ — دوسرے دن تو کیلاش کو اوشا کے رویئے سے یوں احساس ہوا جیسے رات کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ جیسے وہ سب کچھ محض خواب و خیال ہو لیکن نہیں — وہ اس تھرتھرائی ہوئی نقرئی اور شیریں آواز کو باقی آوازوں میں سے بخوبی پہچان سکتا تھا۔ اس آواز میں ایک انفرادیت تھی۔ اس میں ایک خاص اثر تھا۔ سحر تھا۔

رفتہ رفتہ کیلاش نے محسوس کیا کہ اوشا اس کے کاموں میں خاص دلچسپی لینے لگی ہے۔ اب اس کی ضروریات کی ساری چیزیں قرینے سے رکھی جانے لگیں۔ اس کے کوٹ، پتلونیں، پاجامے، بوشرٹ وغیرہ میں سے کوئی شئے ادھر ادھر نہ ہونے پاتی تھی۔ اس کی قمیضیں دھوبی کے یہاں سے دھل کر آتیں تو فوراً ان کے ٹوٹے ہوئے بٹنوں کے عوض نئے بٹن ٹانک کر انہیں احتیاط سے سوٹ کیس میں تہہ

کر کے رکھ دیا جاتا۔ یونیفارم کو اس انداز سے ہینگر سے لٹکایا جاتا کہ کئی دنوں تک اس کا کریز خراب نہ ہونے پاتی۔ یہاں تک کہ اس کے بوٹوں پر پالش تک کر دی جاتی۔

جس روز وہ رات کو لوٹتا اس کا بستر سلیقے سے بچھا ہوتا۔ چادر اور تکیے کا غلاف دونوں صاف اور اجلے ہوتے۔ اس کا رات کو پہننے کا پائجامہ اور قمیض بھی بستر پر موجود رہتے۔ ہر چند ادشا براہِ راست اس سے پہلے ہی کے مانند زیادہ بات چیت نہیں کرتی تھی لیکن ہر روز وہ اپنے آپ کو اس کی شخصیت سے گھرا ہوا پاتا تھا۔ اس کا سنوارا ہوا ہر کام ادشا کی تصویر کو ذہن کے آئینے کے سامنے لا کر کھڑا کر دیتا تھا۔

ایک روز دوپہر کو جبکہ گھر میں ذرا سکون تھا اور بچی پڑوسن کے ہاں گئی ہوئی تھیں، ادشا کسی کام سے اندر آئی اور حسبِ معمول اس کی جانب پشت کر کے کھڑی ہو گئی۔ اس کے بال اب ناگوں کی لمبی چوٹی میں گندھے ہوئے تھے اور چوٹی آہستہ آہستہ جھول رہی تھی۔

کیلاش کے جی میں آئی کہ آج ذرا اس سے گفتگو کی جائے۔ اس خیال سے وہ چارپائی سے اٹھا اور چپکے سے جوتوں میں پاؤں ڈالے ہی تھے کہ ادشا مڑ گھوم کر بگولے کی طرح دروازے کی جانب بڑھی۔ کیلاش نے دیکھا کہ چڑیا پھر سے اڑنے کو ہے تو جلدی سے بول اٹھا۔

"ادشا"

وہ چپ رہی لیکن رک گئی۔

"ادشا تم میرے بہت کام کرتی ہو۔ میرے آرام کا کتنا خیال ہے تمہیں۔"

وہ پھر چپ رہی۔

"بولو نا ادشا......" اس کی آواز میں منت تھی۔

ذرا سے سکوت کے بعد بہت دھیمی باریک اور شیریں آواز سنائی دی "جی!"

کیلاش نے چاہا کہ اس کی انگلیوں کو چھو لے۔ اس خیال سے وہ آگے بڑھا اور دروازے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ ان انگلیوں پر ہلکی سی حرکت کی لہر دوڑ گئی۔ کیلاش کی زبان گنگ تھی لیکن بیشتر اس کے کہ وہ ان انگلیوں کو چھو لیتا دفعتاً ہاتھ ہٹا لیا گیا۔

آہٹ سے معلوم ہوتا تھا کوئی شخص صحن کی جانب آ رہا تھا۔ کیلاش کا معمول تھا کہ دو تین راتیں چچا کے وہاں رہنے کے بعد وہ چند راتیں اِدھر اُدھر کہیں اپنے دوستوں یا دیگر دور کے رشتہ داروں کے وہاں بھی کاٹ لیا کرتا تھا۔

دوسرے روز نو بجے کے قریب جب وہ اسی خیال سے باہر جانے لگا تو دیکھا صحن ذرا خالی تھا اور اوشا صحن میں چارپائی پر بیٹھی تھی۔

اسے قریب سے گذرتے دیکھ کر اس نے اپنے مخصوص نرم اور شیریں لہجے میں پوچھا "کہاں جا رہے ہیں" یہ کہہ کر اس نے اچٹتی ہوئی نظروں سے اس کی جانب دیکھا اور پھر آنکھیں جھکا لیں

"وہی اپنے دورے پر" وہ ہنسا۔

"کیوں یہاں آپ کا جی نہیں لگتا"

اس وقت دونوں کی نظریں ملیں۔ اوشا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ پھیلتی ہوئی اس کے منہ کے حساس گوشوں تک پہنچی اور ان مقامات کو بڑے دلفریب انداز سے متحرک کر دیا۔

وہ کچھ جواب دینے ہی کو تھا کہ سیڑھیوں سے کسی کے اترنے کی آواز سنائی دی اور وہ آگے بڑھ گیا۔ گلی میں سے اس نے گھوم کر صحن کی جانب نگاہ ڈالی تو دیکھا اوشا کی موٹی موٹی آنکھیں اس کا تعاقب کر رہی ہیں۔ منہ کا دہانہ غنچے کی مانند کھلا ہوا ہے اور اس میں سے سپید سپید دانت جھلک رہے ہیں۔

تمام دن اس کا ذہن کمسن اور معصوم اوشا کی کھلتی ہوئی کلی کے مانند پوتر ہنسی کے

باعث مہکتا رہا — اور رات کے وقت جب وہ شہر سے دور کھلے آسمان کے تلے سونے کے لئے لیٹتا تو جھلملاتے ہوئے روشن ستاروں میں سے جیسے آواز سنائی دی کہ دنیا کی حسین ترین عورت وہ ہے جو تم سے اور محض تم سے محبّت کرے ۔

شرماجی کی دھرم پتنی اپنی بیٹی کمتراں سے ملنے کے لئے دس پندرہ روز کے لئے لاہور سے باہر چلی گئی تھیں ۔

اس روز کے بعد پھر اوشا کی زبان سے کوئی ایسی ویسی بات سننے میں نہیں آئی ۔ لیکن اس کے سیوا بھاؤ میں پہلے سے بھی زیادہ شدّت آگئی تھی ۔ اپنی ہر شے قرینے سے رکھی ہوئی دیکھ کر کیلاش کو پس پردہ کام کرتے ہوئے ہاتھ کی یاد آنے لگی ۔ اس نے بارہا اپنے دل کو ٹٹولا لیکن اس نے یہی نتیجہ نکالا کہ اُسے اوشا سے عشق نہیں ہے ۔ اسے اس کے جذبات کا احترام ضرور ہے ۔ شاید اس سے کسی حد تک لگاؤ بھی ہے ۔ لیکن عشق وشق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا — یہ اس کی فہم و فراست کے فیصلے تھے ۔ مگر یوں اوشا کی یاد کسی نہ کسی صورت میں ہر دم اس کے ذہن میں کروٹیں لیتی تھی ۔

ایک دن اس نے سوچا کہ چچی بھی آجکل یہاں نہیں ہیں اس لئے آج کا سارا دن گھر ہی پر گزارا جائے ۔ معمول تو اس کا یہ تھا کہ وہ صبح کے ناشتہ کے بعد گھر سے باہر چلا جاتا ۔ دوپہر اور رات کا کھانا بھی بازار ہی میں کھاتا تاکہ شرماجی پر زیادہ زور نہ پڑے ۔

اپنے منصوبے کے مطابق وہ گھر پر رک گیا ۔ شرماجی کے بغیر پوچھے ہی اس نے کہہ دیا کہ وہ آج رسالوں کے انبار میں سے چھانٹ چھانٹ کر کام کی چیزیں نکال لیگا باقی ردّی میں پھینک دیگا ۔ شرماجی آسے اپنے بچوں کی طرح چاہتے تھے انہیں مطلق خیال نہ تھا کہ وہ گھر پر رہے یا باہر پھرے ۔ شرماجی کے دوکان پر چلے جانے کے بعد بچے بھی اسکول سدھارے مگر اس کے باوجود

وہاں تنہائی نصیب نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ وہ صحن کئی کمینوں کی مشترکہ ملکیت تھا۔

اپنا کام کرتے سمئے کیلاش نے ادشا کے پاؤں کی آہٹ کی جانب کان لگائے رکھے لیکن وہ اس طرف نہیں آئی۔ نہ جانے کہاں کس کام میں محو تھی۔ اس طرح وہ تقریباً دو گھنٹے تک بیٹھا رہا۔ ادشا کو آنا تھا نہ آئی۔ یہاں تک کہ اس کا کام بھی ختم ہو گیا۔ اور اس کے ذہن میں الجھن پیدا ہونے لگی۔ عجب بیوقوف لڑکی ہے۔ اس روز کہتی تھی کہ آپ باہر جاتے ہی کیوں ہیں۔ اب گھر پر بیٹھا ہوں لیکن صورت تک نہیں دکھائی۔ بالآخر اس کی طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ اس نے سوچا کہ آخر وہ اس کی خاطر خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع کیوں کرے۔ اس نے صحن میں جاکر منھ ہاتھ دھویا اور بالوں میں کنگھی کرنے کے بعد کپڑے پہننے لگا۔

اتنے میں ادشا نہ جانے کیوں اس کا ارادہ بھانپ کر یا یونہی ادھر آئی اور ساتھ والے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے ہمراہ اس کا آٹھ سالہ بھائی بھی تھا جو محلے کے اسکول سے ایک آدھ گھنٹہ پڑھنے کے بعد بھاگ آتا تھا۔

اس طرح دس پندرہ منٹ اور گزر گئے۔ اس وقت تک کیلاش کے ذہن کی رومانی کیفیت قریب قریب ختم ہو چکی تھی۔ بڑی دیر تک اس کا دل ادشا کے پاؤں کی چاپ سننے کے لئے چونک چونک اٹھتا رہا لیکن معاً اسے خیال آیا کہ جب اسے اس لڑکی سے عشق ہی نہیں ہے تو پھر وہ اس قدر طویل انتظار کیوں کھینچے۔

اب مسلسل باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ باوجود اس بدمزگی کے وہ ادشا کی آواز کی رنگینی اور موسیقی کا قائل ہو چکا تھا۔ وہ نقرئی آواز کی کشش سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔ آخر وہ دونوں کیا باتیں کر رہے تھے ہنس ہنس کر اور چہک چہک کر... اسی اثنا میں ادشا کی سحر انگیز آواز نہایت واضح طور سے سنائی دی۔ "ارے منّا جا، پوچھو بھیا سے کہ اس تیز دھوپ میں وہ کہاں جا رہے ہیں؟

"ہونہہ" کیلاش کے منھ سے بے اختیار نکلا۔

پھر خاموشی طاری ہوگئی۔ نہ مُنّا اس سے کچھ پوچھنے کے لئے آیا اور نہ آوازیں ہی اتنی بلند رہیں کہ وہ کچھ سن سکتا۔

اس کے دل میں آئی کہ وہ اُن کے کمرے میں چلا جائے لیکن کس حیلے سے کوئی کام نظر نہیں آتا تھا، یہاں تک کہ قمیص کے بٹن تک ٹکے ہوئے تھے۔ معاً اسے شرارت سوجھی۔ اس نے بلیڈ سے ایک بٹن اُڑا دیا اور اندرونی برآمدے والے دروازے کے اندر داخل ہوگیا۔ وہ دونوں ٹرنک کھولے بیٹھے تھے۔ نہ جانے کیا تلاش کر رہے تھے۔

"یہ بٹن لگانا ہے۔"

اوشا اُسے دیکھ کر سراسیمہ ہوگئی لیکن جلدی سے سنبھل کر اس نے سوئی میں تاگا ڈالا اور اس کی جانب بڑھی۔

"میرے خیال میں قمیص نہ اتاروں تو اچھا رہے گا۔ پتلون بھی پہن چکا ہوں۔"

اوشا کچھ نہیں بولی اور بٹن ٹانکنے لگی۔

اس کا چہرہ اس قدر قریب پاکر کیلاش کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ منا بھی قریب کھڑا تھا۔ اس نے چند آنے جیب سے نکالے اور منا کو برفی لانے کے لئے بازار بھیج دیا۔

اب دونوں کمرے میں تنہا رہ گئے تھے۔ کیلاش کو ایک اطمینان یہ بھی تھا کہ دروازے کے آگے چق پڑی تھی۔ اس لئے ان پر ایک دم کسی کی نظر پڑنے کا احتمال نہیں تھا۔ لیکن وقت گذر رہا تھا آخر وہ کیا بات کرے۔ دفعتاً اس کی نظر دیوار پر لٹکے ہوئے بڑے سے کاغذ پر پڑی جس پر دنیا کے مہاپرشوں کی چھوٹی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ کیلاش نے مسکرا کر پوچھا "اوشا تم ان سب کے نام پڑھ سکتی ہو؟"

"جی نہیں نام اردو میں لکھے ہیں اور مجھے اردو نہیں آتی"۔

بٹن ٹنک چکا تھا۔ اوشا تاگا توڑ کر سوئی پرے ہٹا چکی تھی بیشتر اس کے کہ وہ خود پیچھے ہٹتی کیلاش نے اس کی جانب دیکھے بغیر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا" میں سناؤں پڑھ کر"۔

قدرے تامل کے بعد لرزتی ہوئی اور بے حد دھیمی آواز آئی "سنائیے"۔

کیلاش نے محسوس کیا کہ اوشا کا بدن اس کے جسم کو چھو رہا ہے اور اس کی پتلی اور نرم کمر اس کے تنگ سے تنگ تر ہوتے ہوئے بازو کے حلقے میں بری طرح کپکپا رہی ہے۔ پھر اس نے اوشا کے چہرے کی جانب نگاہ ڈالی۔ وہ ابھی تک تصویروں والے کاغذ کی طرف بے معنی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ یہ محسوس ہوتے ہی کہ کیلاش اس کی جانب دیکھنے کو ہے اس نے سر جھکا لیا اور زمین کی جانب دیکھنے لگی۔

کیلاش نے انگلیوں کی مدد سے اس کا چہرہ اوپر اٹھایا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا "اوشا ـــ" اس نے دلنواز محبوبہ کے سرد گال پر ہونٹ رکھ دیئے اور پھر اس نے اس کے منھ کے دلکش دہانے کے حساس گوشے پر ہونٹ پیوست کر دیئے۔ وہ مقام اس وقت بھی ماہئی بے آب کے مانند پھڑک رہا تھا۔

دفعتاً وہ دونوں تڑپ کر ایک دوسرے سے الگ ہو گئے جیسے کوئی اوپر سے آ گیا ہو۔ کیلاش نے گھوم کر دیکھا کوئی نہیں تھا۔ اس نے چق اٹھا کر احتیاط سے ادھر ادھر نگاہ ڈالی ہر طرف مکمل سکون تھا۔

"کوئی نہیں"۔ اس نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے دھیرے سے کہا" نہ جانے اس میں کل کتنی تصویریں ہوں گی۔ گن کر دیکھیں"۔

یہ کہتے ہوئے اس نے پھر اوشا کو اپنی طرف کھینچا اور وہ بغیر کسی جھجک کے جس طرح

اس نے چاہا اس کے بازوؤں کی گرفت میں چلی آئی۔ چند لمحوں تک یہی کیفیت رہی۔ کیلاش کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی کانپتی ہوئی ٹانگوں پر زیادہ دیر تک کھڑا نہیں رہ سکے گا۔

اتنے میں دھماکے سے باہر کا دروازہ کھلا اور شتابر فی لئے صحن میں داخل ہو گیا۔

اس دن کے بعد دونوں کے مابین بے تکلفی زیادہ نہیں بڑھی۔ اوشا پہلے سے زیادہ خاموش ہو گئی۔ لیکن وہ اپنی صورت بالوں کی آرائش اور لباس کی زیبائش سے بے پروا دکھائی نہیں دیتی تھی بلکہ اب وہ ان کی جانب زیادہ توجہ دینے لگی تھی۔ بیچاری کے پاس اچھے اچھے کپڑے نہیں تھے کیونکہ وہ بہت امیر نہیں تھے اور ان کے وہاں کنواری لڑکیوں کا جسمانی آرائش کی طرف زیادہ دھیان دینا مناسب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

اوشا بیباک بھی نظر نہیں آتی تھی۔ اگر وہ تنہا کام کرتی ہوتی یا عورتوں کے جھرمٹ میں بیٹھی ہوتی اور ایسے موقع پر کہیں اسے پتہ چل جاتا کہ کیلاش اس کی جانب دیکھ رہا ہے تو وہ رخ پھیر لیتی یا کسی عورت کی اوٹ میں ہو جاتی۔ اس کی ان حرکات سے کیلاش کو سخت کوفت ہوتی تھی۔ بعض اوقات اس کی رگ حمیت پھڑک اٹھتی آخر وہ ایسا ہیٹا نہیں تھا کہ وہ نادان چھوکری اس قسم کے نخرے دکھائے لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ جب بھی اُسے کسی چیز کی ضرورت یا تلاش ہوتی تو اوشا فوراً وہاں آن موجود ہوتی۔ کچھ فاصلے پر سر جھکا کر مجرم کے مانند کھڑی ہو جاتی اور انتہائی منت آمیز اور نرم لہجے میں پوچھتی "کیا چاہئے آپ کو۔"

کیلاش نے مختلف اسامیوں کے لئے عرضی دے رکھی تھی۔ شب و روز اس بات کا انتظار تھا کہ کسی نہ کسی جانب سے انٹرویو کی ہی چھٹی آجائے۔ آخر ایک روز اس کے دل کی مراد بر آئی۔ ایک اسامی کے انٹرویو کے لئے اسے بلایا گیا تھا۔ اس نے یہ خبر گھر میں سب کو سنائی۔ حالانکہ

یہ ایک معمولی بات تھی۔ آئے دن لوگوں کے انٹرویو ہوتے رہتے تھے۔ لیکن گھر کے لوگ بے حد خوش تھے بالخصوص اوشا تو اتنی خوش تھی جیسے ملازمت ہی مل گئی ہو۔

کیلاش نے اسے دو تین مرتبہ کسی سے اس سلسلہ میں یوں باتیں کرتے سنا جیسے بہت بڑا خزانہ اس کے ہاتھ لگ گیا ہو۔

انٹرویو کے روز وہ جانے کے لئے بالکل تیار تھا کہ عین اس وقت اُسے کوئی بات یاد آگئی اور اسے رکنا پڑا۔ اس پر اس کی چچی بولی "بیٹا! اب جاؤ بھی اوشا نہ جانے کب سے پانی کی بالٹی لئے دروازے سے باہر تمہارا انتظار کر رہی ہے۔"

"وہ کیوں؟" کیلاش نے تعجب سے دریافت کیا۔

"نیک شگون ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ بھیّا نکلیں گے تو میں پانی سے بھری ہوئی بالٹی لے کر آگے سے ملوں گی۔ اس طرح وہ امتحان (انٹرویو) میں پاس ہو جائیں گے۔"

سچ مچ اوشا باہر دروازے کے آگے دھوپ میں کھڑی تھی۔ اس کی ناک، لبوں کے اوپر اور پیشانی پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں چمک رہی تھیں، چہرہ تمتا رہا تھا۔ جب وہ اس کے قریب سے گزری تو اس نے جذبات سے تھرتھراتی ہوئی آواز میں کہا "اوشا!"

اوشا نے آنکھیں نہیں اٹھائیں۔ البتہ ایک لمحے کے لئے اس کے قدم رکے اور پھر وہ آگے بڑھ گئی۔

۳

لاہور آئے کیلاش کو چار مہینے گزر چکے تھے۔ اپنے گھر سے دور وہ مسافروں کی سی زندگی بسر کر رہا تھا۔ مانا اس کے چچا چچی بہت نیک انسان تھے۔ لیکن غیر کا گھر پھر غیر کا گھر ہوتا ہے یہاں اپنے گھر کی سی بے تکلفی اور آرام کہاں

اس کا انٹرویو تسلی بخش ہوا تھا۔ لیکن ڈیڑھ سو کے قریب اشخاص کے انٹرویو لئے گئے تھے اور شاید ہزار سے اوپر عرضیاں آئی تھیں اتنے امیدواروں میں سے صرف پانچ کا انتخاب ہونا تھا۔ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا تھا کہ نتیجہ کیا نکلے گا۔ باوجودیکہ کیلاش کا یہ حال تھا کہ اس کا انٹرویو تسلی بخش تھا۔ لیکن فی الحقیقت اسے اپنی کامیابی کی کوئی خاص امید نہیں تھی۔ مبلغ ساڑھے چار سو روپئے کی ملازمت ایسی آسان شے نہیں تھی کہ یوں ہی اس کے ہاتھ آجاتی۔

ہندوستان کے کونے کونے سے امیدوار انٹرویو میں شامل ہونے کے لئے آئے تھے۔ ان میں بڑی بڑی قابلیت کے لوگ بھی شامل تھے اور ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں تھی جن کا رسوخ بہت زیادہ تھا۔

لیکن چند دن بعد جب اس کے نام دوپہر کے وقت ایک رجسٹری چٹھی آئی اور اس نے لرزتی ہوئی انگلیوں سے لفافہ چاک کیا تو اس کے تعجب کی انتہا نہ رہی۔ انٹرویو میں اسے چن لیا گیا تھا۔ اور کام کا چارج لینے کے لئے تاریخ بھی مقرر کر دی گئی تھی۔

پہلے تو مسرت کی ہلکی سی چیخ اس کے حلق سے نکل گئی۔ پھر دفعتاً وہ سنجیدہ بن گیا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سارے گھر پر نسبتاً خاموشی طاری تھی۔ اس نے جلد جلد اپنے گھر والوں کو اس خوشخبری کی بابت ایک چٹھی لکھ کر کپڑے پہنے۔ پھر اس نے دروازے سے باہر جھانک کر دیکھا۔ اوشا کسی کام سے صحن سے گزر کر اندر والے برآمدے میں داخل ہو رہی تھی۔ نظروں سے نظریں ملیں تو کیلاش نے بڑے اشتیاق سے اسے آنے کا اشارہ کیا۔

اوشا نے ایک نظر اس کمرے کی جانب ڈالی جہاں اس کی ماں بیٹھی تھی۔ لیکن پھر کیلاش کی حکم عدولی کرنے سے بھی قاصر تھی۔ وہ بھاری قدموں سے اس کی جانب بڑھی۔ جونہی وہ اندر داخل ہوئی کیلاش نے اسے اپنے بازوؤں میں دبوچ لیا۔ اور بڑی گرمجوشی کے ساتھ اس کے لبوں

میں لب پیوست کر دیئے اور پھر اسے حیران و ششدر چھوڑ کر ہاتھ میں لفافہ پکڑے بگولے کی طرح باہر نکل گیا۔

دن کا باقی حصّہ اس نے بے مہار اونٹ کی طرح اِدھر اُدھر گھومنے میں گزارا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔ چند ایسے لوگ بھی مل گئے جن پر اس نے یہ راز افشا کر دینا مناسب سمجھا۔ انہوں نے مسرّت کا اظہار کرتے ہوئے ہدیۂ مبارکباد پیش کیا۔ شام ہونے پر وہ گھر لوٹا۔

گھر میں حسبِ معمول خوب چہل پہل ہو رہی تھی۔ بچوں کے شور میں ملی جلی شرما جی کی کراری آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

صحن کے ایک کونے میں برتن مانجتی ہوئی اوشا ایک متحرک سائے کے مانند دکھائی دے رہی تھی۔ لیکن اب اس سائے میں کتنے معنی پنہاں تھے۔

وہ سیدھا اس کمرے میں چلا گیا جہاں شرما جی بیوی بچوں میں بیٹھے اول جلول باتیں سنا رہے تھے۔ ناگاہ اُن کی نظر کیلاش پر پڑی تو بولے "کہو بیٹا! آج تو بہت خوش نظر آ رہے ہو"

"مٹھائی کھلائیے تو بتاؤں۔"

"ارے مٹھائی بہت...... کچھ کہو تو سہی۔"

کیلاش نے قدرے تامل کیا "جی مجھے ملازمت مل گئی ہے۔"

"واہ وا واہ وا........ واہ بیٹا جیتے رہو۔"

"جیتے رہو پھلو پھولو۔" چچی کی آواز سنائی دی۔

اب تو بات چیت کا رخ ہی پلٹ گیا۔ بچے بھیّا کے کندھوں پر کودنے لگے۔ مسلسل آدھ گھنٹے تک گرما گرم باتیں ہوتی رہیں۔ شرما جی بولے "اب بولو بیٹا! اب تو ہمارے

پاس ہی رہو گے نا۔ تم بھی لاہور سے الگ کرایہ لگ جانے کی سوچا کرتے تھے۔"

"سچ مچ اب ہم اسے اپنے گھر سے نہیں جانے دیں گے۔"

"نہیں نہیں میں نے آپ کو کافی کشٹ دیا ہے ......"

"ارے چھوڑو بابا بڑا آیا کشٹ دینے والا، بھلا بچوں کا بھی کہیں کشٹ ہوتا ہے بڑوں کو۔" سترا جی بولے اور پھر بیوی کی جانب دیکھتے ہوئے کہنے لگے "ارے اوپر والا کمرہ اسے خالی کر دیں نا، ہمارے لئے تو بیکار ہے۔ خواہ مخواہ گودام بنا رکھا ہے اس کا۔ تھوڑا بہت جو سامان ہے وہ دوکان میں ٹھونس دیں گے لے جا کر۔"

"ہاں ہاں — اب نری باتیں ہی نہ بنتی رہیں، کچھ کر کے بھی تو دکھاؤ۔"

اس پر میاں بیوی کے ابین باقاعدہ تو تو میں میں شروع ہو گئی۔ اسی اثنا میں اوشا کو بھی اس خبر کا پتہ چل گیا۔ اس کا بالٹی بھرا پانی لے کر آگے سے ملنے والا شگون نیک ثابت ہوا۔ اس نے منہ سے تو کچھ نہیں کہا البتہ اس کے تیزی سے اٹھتے ہوئے قدموں سے رقص کی سی کیفیت عیاں تھی۔ اوپر والے کمرے میں آئے ہوئے اسے سات آٹھ مہینے گزر چکے تھے۔

پختہ بنا ہوا یہ مختصر سا کمرہ خوب ہوادار اور روشن تھا۔ اس کے دفتر کا ماحول بھی پسندیدہ تھا بڑی عزت اور آرام کا کام تھا۔ دفتر میں بھی الگ سجا سجایا کمرہ، برقی پنکھا، ٹیبل لیمپ، چپراسی اور آرام کے دیگر سامان موجود تھے۔

اب اوشا سے اس کے تعلقات بہت بڑھ گئے تھے۔ شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا ہو جب وہ کسی نہ کسی بہانے سے اس کے کمرے میں تین چار بار نہ آتی ہو۔ پھر وہ دیر تک بغل گیر ہوتے اور بوس و کنار میں محو رہتے۔

اس قسم کی باتیں بھلا کب تک چھپی رہتی ہیں۔ خواہ کسی نے ان دونوں کو مشکوک حالت میں

کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن اوشا کا ہر وقت اس کی راہ میں آنکھیں بچھائے رکھنا۔ اس کے میلے کپڑے دھونا اور شب و روز اس کے کمرے کے پھیرے لگانا یہ ایسی باتیں تھیں جن کی تاک میں پڑوسی سدا ہی لگے رہتے ہیں اور اب کچھ مدت سے اس قسم کی بھنک اوشا کے ماں باپ کے کانوں میں بھی پڑنے لگی تھی۔ والدین کو اس بات پر یقین بالکل نہیں آتا تھا تاہم بھی اوشا کو اس کے کمرے میں جانے سے دبی دبی زبان سے ٹوکنے لگی۔

قدرتی طور پر کیلاش کے کان بھی کھڑے ہو گئے۔ اس نے اوشا سے شادی کے امکانات پر غور کرنا شروع کیا۔ اس سلسلے میں بہت سے امور قابل غور تھے۔ جہاں تک اوشا کا تعلق تھا وہ سانولے رنگ کی معمولی خدوخال کی لڑکی تھی۔ نہ زیادہ پڑھی لکھی تھی اور نہ سینے پرونے یا کھانے پکانے میں ہی اُسے غیر معمولی دسترس حاصل تھی۔ یہ بات بھی عیاں تھی کہ اس کے ماں باپ جہیز میں بھی کچھ زیادہ نہیں دے سکیں گے۔ اگر وہ خود اس بات کا خیال نہ بھی کرتا تو بھی اس کے ماں باپ اس چیز کو کسی قیمت پر نظر انداز کرنے کو تیار نہیں تھے۔ بالخصوص اس صورت میں کہ ان کا اکلوتا لڑکا گوراچٹا خوبصورت اور بڑا افسر ہو اور وہ خود بھی مالدار ہوں۔

لڑکی والوں کی جانب سے بھی کچھ ایسی ہی باتیں تھیں۔ ایک تو وہ ایک دوسرے کی مالی حالت سے بے خبر نہیں تھے۔ دوسرے لاشعوری طور پر وہ اپنی بیٹی کو بھی بعض پہلوؤں سے ایسے پتی کی اہل نہیں سمجھتے تھے تیسرے اُن کا خیال تھا کہ یوں بھی دونوں کی عمروں میں بڑا تفاوت ہے۔ لڑکی سولہ برس کی لڑکا ستائیس کا۔ دونوں میں گیارہ برس کا فرق تھا۔ پانچ چھ برس کا فرق ہوتا تو خیر کوئی بات نہیں تھی۔ اس پر طرہ یہ کہ دو ڈھائی برس پہلے شرما جی نے یونہی ہنسی ہنسی میں کسی موقع پر ان دونوں کے رشتے کا کنا یتاً ذکر کیا تھا تو کیلاش کی ماں نے سنی ان سنی کر دی تھی

اوشا ایک روز کیلاش کے کمرے میں آئی تو حسب معمول اس کی نازک کمر اپنے بازوؤں کے

حالت میں لیتے ہوئے کیلاش نے اس کے ہونٹ چوم لئے۔ اور پھر وہ اس کی صورت کا جائزہ لینے لگا
وہ ہمیشہ اپنے آپ کو سمجھایا کرتا تھا کہ اوشا سے اسکا لگاؤ محض جذباتی تھا۔ ورنہ وہ نہ تو
اس کے حسن پر فریفتہ تھا اور نہ کسی ادا پر۔ نہ اس کی لیاقت کا قائل تھا اور نہ اس کی کسی اور
ہنرمندی کا شیدا۔ اگر اس کی شادی اوشا سے ہو جائے تو اسے کوئی اعتراض بھی نہ ہوتا لیکن
وہ اس قابل تو یقیناً نہیں تھی کہ وہ بطور خاص کوشش کر کے اس سے شادی رچائے۔ کیونکہ
یہ بات تو روزِ روشن کی طرح عیاں تھی کہ وہ حسین سے حسین لڑکی سے شادی کر سکتا تھا۔ اب
جبکہ اوشا کا سر اس کے شانے پر تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا "اوشا نمبر انہیں آیا۔"
اوشا نے اس کا مطلب سمجھنے کے لئے پلکیں اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تو وہ بولا "ہونٹ
اس قدر زور سے مت بھینچا کرو۔ انہیں ڈھیلا چھوڑ دو .... اتنے ڈھیلے کہ دمکتے ہوئے دانتوں
کی سفیدی دکھائی دینے لگے۔"
اوشا نے آنکھیں بند کر لیں اور کیلاش کے ہونٹ اس کے بھرپور ہونٹوں میں دھنستے
چلے گئے۔ پھر اس نے چہرہ پیچھے ہٹا کر مدھم آواز میں پوچھا "اوشا آخر اس محبت کا نتیجہ کیا ہوگا۔"
وہ چپ رہی۔
قدرے تامل کے بعد کیلاش نے بھاری آواز میں کہا "اگر انہوں نے تمہاری شادی
کہیں اور کر دی تو۔"
اوشا دوسری جانب دیکھنے لگی۔ منہ سے کچھ نہیں بولی۔ چند لمحوں تک پُراسرار
خاموشی طاری رہی۔ پھر کیلاش کے منہ سے آواز نکلی "بولو؟"
جواب میں اوشا نے بغیر کچھ کہے اس کے سینے پر سر رکھ دیا اور چپ چاپ خلا میں
گھورنے لگی جیسے کوئی سمجھ میں نہ آنے والی شے اس کی جانب بڑھ رہی ہو اور وہ ایک

ننھے معصوم اور کمزور بچے کے مانند بے دست و پا کھڑی ہو اور وہ ایک

اس قسم کے حالات اور کانا پھوسی اوشا کے والدین کے لئے کافی پریشان کن تھے۔ حالانکہ وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ دونوں کے مابین یونہی بے ضرر سی محبت ہے۔ ایسی محبت سے خوفناک نتائج کا ڈر اور دوسرے پڑوس والوں کی حماقت تھی یہ سب کچھ بکواس تھا سہی لیکن اگر یہ بات پھیل گئی تو ان کے اور ان کی لڑکی کے حق میں بہت برا ہوگا۔ لڑکی بدنام ہوگئی تو اس کی شادی بھی نہیں ہو سکے گی اور دنیا بھر کی طعن و تشنیع الگ... فی الحقیقت یہ بات انھیں کے صحن کے گھر دن تک محدود تھی۔ وہ لوگ بھی آپس میں ہی کانا پھوسی کرتے تھے۔ لیکن چند بزرگوں نے مشورہ دیا کہ بات ہونٹوں چڑھی کوٹھوں چڑھی بہتر یہی ہے بیشتر اسکے کہ یہ بات کا بتنگڑ بنے لڑکی کی شادی کر دی جائے۔

اب رشتے کیلئے بھاگ دوڑ شروع ہوئی۔ رشتوں کا معاملہ ایسا ہے کہ ہونے پر آئے تو چشم زدن میں بہت اچھے سنجوگ مل جائیں ورنہ برسوں کام نہ بنے۔ لیکن جلدی کا کام شاذ و نادر ہی ٹھیک ہوتا ہے۔

جوں جوں دن گزرتے جاتے تھے والدین کی پریشانی بڑھتی جاتی تھی۔ اب تو وہ اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ لڑکی کو کسی کے بھی پلو میں ڈھکیل دیں۔ آخر ایک ایسا شخص مل گیا جس کی دو بیویاں مر چکی تھیں۔ اس کی پہلی شادی بچپن میں ہوئی تھی، اس کے مرنے کے بعد اٹھارہ برس کی عمر میں دوسری شادی ہوئی۔ دو برس بعد وہ بھی مر گئی۔ ایک سال سے مہاشہ جی خالی ہاتھ بیٹھے تھے۔ انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ اسی سے منگنی کر دی۔

ان مہاشہ جی کی بابت جو کچھ کیلاش کو معلوم ہو سکا وہ یہ تھا کہ وہ شکل و صورت کے لحاظ سے تو غنیمت تھے لیکن تھے بے حد شریف انسان۔ سننے میں آیا تھا کہ محض ماں باپ کے زور دینے پر بار بار شادیوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا ورنہ انہیں ان باتوں سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی

منگنی ہو چکی تھی۔ اس سے اوشا کے والدین کو کچھ تسکین تو حاصل ہو گئی لیکن پورے اطمینان کے لئے شادی کا ہونا بے حد لازمی تھا اور کوشش یہ تھی کہ زیادہ سے زیادہ دو مہینے کے بعد شادی کر دی جائے۔

اکتوبر کا مہینہ تھا۔ اوشا کی شادی میں بیس پچیس دن باقی رہ گئے تھے۔ کیلاش اوشا کی شادی سے کچھ زیادہ مطمئن نہیں تھا۔ اس کے دل میں بار بار اس بات کا خیال پیدا ہوتا تھا کہ جانے اوشا کا اس بارے میں کیا خیال ہے۔ کیا وہ اس رشتے کو پسند کرتی ہے۔ یا شاید وہ اس سے اتنی گہری محبت نہیں کرتی جتنی کہ وہ سمجھتا ہے۔ اس پر وہ دل ہی دل میں بڑی استغنا سے کہتا ـــــ

ـــــ "اگر اسے مجھ سے گہری محبت نہیں ہے تو نہ سہی میں کونسا اس پر جان دیتا ہوں۔ آخر اس میں ایسے کیا سرخاب کے پر لگے ہیں"۔

ادھر اوشا خاموشی سے اپنے کاموں میں مگن رہتی۔ اس کے رویے سے کسی بھی چیز کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ وہ نہ اداس تھی نہ خوش۔ نہ بیقرار تھی نہ مطمئن۔ وہ حسب معمول اپنے کام کاج میں مصروف رہتی۔ البتہ کیلاش کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے وہ ہر کام کرنے پر آمادہ رہتی اس کی چھوٹی سے چھوٹی ضرورت پوری کرنے کا اسے بدرجۂ اتم خیال رہتا تھا۔ کیلاش اس کی اس گونگی محبت کا احساس کرتا تو اس کے دل کو نہ جانے کیا ہونے لگتا۔ اس نے بارہا اوشا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سینے پر رکھا اور پوچھا "اوشا!"

وہ بغیر کچھ جواب دئیے دبے پاؤں اس کی پشت کی جانب چلی جاتی۔

"بولو گی نہیں! میں تمہیں بلا رہا ہوں اوشا"۔ وہ رک رک کر کہتا "کیا تم ..... میرا مطلب ہے ..... یعنی کہ تم ..... تم اس شادی سے خوش ہو"۔

وہ چھوئی موئی کی طرح سمٹ اور جھینپ کر چپ رہتی۔

"بولو نا" وہ اصرار کرتا۔

"کیا؟"

"یہی جو بات میں نے پوچھی ہے۔ اس کا جواب دو نا"

"کیا جواب دوں؟"

"ارے واہ! کیا جواب دوں! ـــــ بتاؤ نا۔ تمہیں وہ پسند ہیں۔ تم اس شادی کو پسند کرتی ہو؟"

"مجھے معلوم نہیں"

"تو کسے معلوم ہے؟"

وہ پھر چپ ہو گئی..... اس طرح باوجود کوشش کے وہ اوشا کی دلی کیفیت سے بے خبر رہا۔

اور پھر گھر میں شادی کی ڈھولک بجنے لگی۔ گلی محلے کی لڑکیاں گیت گانے کے لئے راتوں کو وہاں اکٹھا ہونے لگیں۔ اب کچھ دنوں میں کیلاش کے والدین بھی شادی میں شمولیت کی غرض سے آنے والے تھے۔ کیلاش بظاہر ان سب واقعات کو کمال بے اعتنائی سے نظر انداز کر رہا تھا لیکن جوں جوں شادی کے دن قریب آتے جا رہے تھے اس کے دل کی ہلچل بڑھتی جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ شادی میں ایک ہفتہ باقی رہ گیا۔ اور اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کی کوئی قیمتی اور عزیز شئے اس کے ہاتھوں سے چھینی جا رہی ہو۔

اب اس کے والدین بھی آگئے تھے۔ گھر میں مہمانوں کی چہل پہل تھی۔ خود اس کا کمرہ بھی استعمال میں لایا جا رہا تھا۔ اس شور و غل اور مہمانوں کی ریل پیل میں اوشا سے گھڑی بھر کے

لئے بات کرنے کا بھی موقع میسّر نہیں آتا تھا۔ ان دنوں لڑکیاں کام کاج بھی ترک کر دیتی ہیں چنانچہ یہی حال اوشا کا تھا۔ لیکن نہ جانے کب وہ اس کا کمرہ صاف کر جاتی تھی۔ اس کے جوتوں کپڑوں اور ضروریات کی دیگر چیزوں میں اُسے اوشا کا نازک ہاتھ کام کرتا نظر آتا تھا۔ اگر کبھی اس کے چھن جانے کے خیال سے اس کا دل غمگین ہوتا تو اسے اس بات سے گونا تسکین بھی حاصل ہوتی تھی کہ اب تک اوشا کے دل میں اس کے لئے جگہ باقی ہے۔

ایک روز دوپہر کے وقت جبکہ گھر میں قدرے سکون تھا اور کیلاش سنیچر کے روز آدھی چھٹی ہو جانے کے باعث اپنے کمرے میں موجود تھا۔ اوشا اندر داخل ہوئی۔ وہ اسے دیکھ کر ہنسنے لگا۔ "کہو اوشا! بیاہ کی خوشی میں تو تم نے ہمیں بالکل ہی بھلا دیا۔"

اوشا چپ تھی، اور چپ ہی رہی۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ پھر جھاڑو اٹھا کر فرش صاف کرنے لگی۔

"یہ کیا کرتی ہو؟"

"فرش گندا ہو جاتا ہے بہت جلد۔ زیادہ لوگ آتے جاتے ہیں نا یہاں۔"

"مگر اوشا! تمہیں آجکل کام نہیں کرنا چاہیئے۔"

"ہاں" اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو پھر؟"

قدرے تامل کے بعد اس نے مدھم اور باریک آواز میں جواب دیا۔ "لیکن مجھے پوجا کرنے کا حق تو حاصل ہے۔"

کیلاش اس کا مطلب سمجھ گیا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا جیسے اس کے سینے کو توڑ کر نکل جانا چاہتا ہو....."

اسی اثنا میں اوشا اس کی چارپائی کے قریب پہنچ گئی۔ کیلاش بولا " ارے۔ ٹھہرو میں جوتا اوپر اٹھالوں۔

لیکن بیشتر اس کے کہ وہ کچھ کر پاتا اوشا اپنے ہاتھ سے اس کے بوٹ اٹھا کر ان کے نیچے سے فرش صاف کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

"ارے پاؤں سے ہٹا دیا ہوتا۔ ناحق ہاتھ خراب کئے تم نے۔"

اوشا لرزتی ہوئی آواز میں بولی " بھلا میں آپ کے جوتوں کو پاؤں کیونکر لگا سکتی ہوں میں تو انہیں چوم لیا کرتی ہوں ......"

'احمق' کیلاش نے دل ہی دل میں کہا۔ وہ عشق و محبت کا قائل تھا۔ لیکن لڑکیوں اور عورتوں کی اس حد تک بھگتی اسے قطعاً پسند نہیں تھی۔ وہ بستر پر دراز ہو گیا۔ یہ محبت نہیں کچھ اپنا تھا اس قدر جذباتی لڑکی سلجھی ہوئی بیوی ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھا ہوا تھا اس وقت جبکہ وہ سمجھتا تھا کہ اوشا چلی گئی ہوگی۔ اسے اپنے پاؤں پر نمی سی محسوس ہوئی ــــ آنکھوں پر سے بازو اٹھا کر دیکھا تو اوشا اس کے پاؤں کو آنسوؤں سے دھو دھو کر چوم رہی تھی۔ بیشتر اس کے کہ وہ کچھ کہہ سکتا عین اس نازک موقع پر اوشا کی ماتا جی جانے کہاں سے آن ٹپکیں۔ وہ فوراً اصل معاملہ بھانپ گئیں۔ اوشا ماں کو دیکھتے ہی چھوئی موئی کی طرح سمٹ گئی اور پھر اٹھ کر دبے پاؤں کمرے سے باہر نکل گئی۔

چچی نے کیلاش سے کچھ نہیں کہا۔ ایک گوشے سے ٹین کا ڈبہ اٹھا کر چلی گئیں۔

بالآخر جب شادی کی رسم ادا کی گئی اور اوشا نے ایک مرد کے ساتھ مقدس آگ کے گرد چکر کاٹے تو کیلاش کا دل بیٹھ گیا اور وہ اسے ڈولی پر رخصت ہونے نہ دیکھ سکا اور چپکے سے کھسک کر

گھر سے باہر نکل گیا۔

وہ کافی دیر تک گم سم سڑکوں پر گھومتا رہا۔ اس کے لبوں پہ مہر سکوت لگی ہوئی تھی۔ اور اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وقت کی رفتار ختم ہو گئی ہو اور ساری دنیا ایک نقطے پر رُک کر رہ گئی ہو۔

جب وہ مال روڈ پر گھومتا ہوا ایبڈن روڈ کی طرف جا رہا تھا دفعتاً ایک دوست متّل سے ملاقات ہو گئی۔ اس سے وہ پہلے پہل انٹرویو کے موقع پر ملا تھا۔ وہ ملازمت سے محروم رہا لیکن دونوں کے تعلقات بڑھتے چلے گئے۔

جس وقت کیلاش گھر سے باہر نکلا تھا اس وقت وہ بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد اب اس کا جی چاہنے لگا کہ اگر کوئی دوست ملے تو اسے ہمراز بنائے چنانچہ اس دوست کو پاکر اسے گونا تسکین محسوس ہوئی اور وہ دونوں اسٹینڈرڈ ہوٹل میں گھس گئے۔

کیلاش نے اپنی داستان کی پوری حقیقت ظاہر نہیں کی۔ البتہ اس نے اس کا مشورہ حاصل کرنے کے لئے یہ کہانی کچھ رد و بدل کے بعد یوں سنائی کہ ایک لڑکی کو مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔ پہل اس نے کی تھی۔ جواباً مجھے بھی اس کی جانب رجوع کرنا پڑا۔ میرے ذہن میں یہی خیال جاگزیں تھا کہ مجھے اس لڑکی سے عشق نہیں ہمدردی ہے۔ یوں میں نے بارہا عقل سے دریافت کیا کہ کیا اس لڑکی سے شادی کر لوں لیکن جواب ہمیشہ نفی میں پایا۔ لیکن جب اسکی شادی ہونے لگی۔ دل دہائی دینے لگا۔ یہ بہت ہی عجیب قسم کی ٹریجڈی ہے۔ کیونکہ ہم دونوں کی محبت اور شادی کے درمیان کوئی غیر معمولی دقت حائل نہیں تھی۔ صرف میری قوتِ فیصلہ کی کمزوری کے باعث یہ سب کچھ پیش آیا۔ سچ پوچھو تو اب بھی موقع ملے تو میں اس لڑکی سے شادی کرنے سے گریز کروں گا کیونکہ بیوی کی بابت میرا نقطۂ نظر ذرا مختلف ہے۔ لیکن نہ جانے کیوں پھر بھی میرے دل میں ہلچل سی پیدا ہو گئی ہے

"آخر تمہیں اس سے شادی کرنے سے گریز کیوں تھا۔ یعنی حقیقی وجوہ کیا تھیں کیا وہ بدصورت ہے۔ پھوہڑ ہے یا نا سمجھ؟"

کیلاش نے قدرے تامل کیا۔" فی الحقیقت نہیں تو کم از کم میرے نقطۂ نگاہ سے وہ حسین نہیں پر کشش ضرور ہے....."

"تو پھر یہی ہو سکتا ہے کہ تمہیں زیادہ حسین بیوی چاہیے ذرا.... چلبلی ٹائپ کی۔"

"بھئی میں کچھ نہیں کہہ سکتا مجھے اپنے دل کی اس کیفیت پر خود الجھن ہوتی ہے۔ مجھے حقیقی تکلیف اس بات کی ہے کہ وہ مجھ سے دلی محبت کرتی تھی۔ خیال آتا ہے کہ اگر میں اسے اپنا لیتا تو اس کے دل کی دنیا اجڑنے سے بچ جاتی۔ کاش..... میں اس سے شادی کر سکتا۔"

اس پر متل مسکرایا۔ وہ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ متل نے مشورہ دیا۔

"میرے خیال میں تم زیادہ فکر مت کرو۔ وقت کا مرہم سارے زخموں کو مندمل کر دیگا"

تھوڑا رک کر پھر بولا۔" بھئی میں کل دو مہینے کے لئے گاؤں جا رہا ہوں، مجھے تمہارے اس معاملے سے دلچسپی رہے گی۔ خط لکھتے رہنا۔"

انہوں نے ایک دوسرے کے پتے لکھ لئے اور رخصت ہو گئے۔ واپسی میں کیلاش نے یوں محسوس کیا کہ اسے متل سے اس بات کا تذکرہ نہیں کرنا چاہئے تھا کیونکہ اس گفتگو سے اس کی تشفی ہونے کے بجائے ذہنی الجھن اور بڑھ گئی تھی اور جب وہ واپس گھر پہنچا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ گھر نہیں ہے۔ بلکہ لٹا ہوا قافلہ ہے۔

لڑکی کے چلے جانے کے بعد گھر کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ اس کا اسے علم نہیں تھا اور پھر وہ لڑکی جو اس کے دل کے ایک نہایت نازک تار پر انگلی رکھ کر چلی تھی۔

پورا چاند آسمان میں چمک رہا تھا۔ کیلاش نے اپنے کمرے سے باہر قدم رکھا اور

تاروں کے جھرمٹ میں چاند کو دیکھ کر وہ رک گیا چھت پر کوئی نہیں تھا۔ بس بج چکے تھے شادی کے تیز و تند شور و غل کے بعد یہ سکون موت کی خاموشی سے بھی زیادہ اداس کر دینے والا تھا اس نے ذہن پہ زور ڈال کر واقعات کو سمجھنا چاہا۔ لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا ذہن کی یہ حالت تھی کہ وہ کچھ بھی سوچنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا۔ بس ایک بے حسی اور بے بسی کی سی کیفیت طاری تھی۔

دوسرے روز علی الصباح ادشا کی ماں نے اس کے کمرے میں جھانکا۔

جس روز سے اس نے دونوں کو ساتھ دیکھا تھا وہ اس سے کچھ کھنچی کھنچی سی رہنے لگی تھی۔ لیکن اس وقت اس کے چہرے پر مسرت کے آثار ہویدا تھے۔ شاید اب وہ مطمئن تھی کہ لڑکی کی شادی ہو چکی ہے اور اُسے ڈولی میں روانہ کیا جا چکا ہے۔ اب فکر کی کوئی بات نہیں تھی وہ اُس کی چارپائی پر آن کر بیٹھ گئی اور بڑے بے تکلفانہ انداز سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگی۔ شاید وہ اس کے دل سے ادشا کی جدائی کے غم کو بھلا دینے کی کوشش کر رہی تھی۔ یوں تو وہ بعض اوقات اس سے بے تکلفانہ باتیں کر لیا کرتی تھی لیکن آج اس کے انداز میں کوئی اور جذبہ بھی کارفرما تھا۔

کیلاش سے نہ رہا گیا۔ اس نے پوچھ ہی لیا "چاچی! اب ادشا بھلا سسرال میں کتنے روز رہے گی؟"

"یہی دو تین روز......"

چاچی کے ان چار الفاظ میں کیلاش کو اپنی نجات دکھائی دی۔ یہ خیال کہ دو تین روز تک ادشا کے پھر درشن ہوں گے اس کے لئے بے حد تسکین دہ تھا۔ مگر دوسری شب تو قیامت تھی انہیں ایک رات تو راستے ہی میں لگ گئی ہوگی۔ مہرادلپنڈی قریب تو نہیں۔ لیکن آج

ادشا کی سہاگ رات تھی۔

اس نے تخیل میں ایک نہایت گھناؤنا اور روح فرسا منظر دیکھا اور ایک چمکتا ہوا تیز اور نوکیلا خنجر اس کے سینے میں اترتا چلا گیا ...... نیچے نیچے اور نیچے یہاں تک کہ اسے یوں محسوس ہونے لگا کہ وہ نازک ڈور جس سے ادشا اور وہ باہم بندھے ہوئے تھے دفعتاً ٹوٹ گئی ہے۔

اس ڈور کا ٹوٹنا بڑا تکلیف دہ تھا۔ اس کا جی چاہا کہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ تیسرے دن شرما جی ادشا کو لینے کے لئے چلے گئے۔ وہ ایک رات رہیں گے اور صبح کی گاڑی سے چل کر رات کو واپس آجائیں گے۔

کیلاش کے دل میں ایک بھونچال سا پیدا ہوگیا تھا لیکن وہ چپ چاپ وقت کو ٹالتا رہا وہ ایک ایک لمحہ گن رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ جو اپنے گزرنے کا نہایت شدید احساس دلا رہا تھا۔

آخر وہ رات بھی آن پہنچی۔

اپنے کمرے میں تنہا نیم دراز پڑا کیلاش ایک کتاب دیکھ رہا تھا۔ اس کا پڑھنے میں دھیان نہیں تھا۔ کان صحن کی آوازوں کی جانب لگے تھے ...... لمحے گھسٹ گھسٹ کر گزر رہے تھے یاس اور ناامیدی کے بھوت گھوم گھوم کر اسے آنکھیں دکھاتے تھے۔ نو بج گئے۔

دفعتاً دروازہ کھلا جیسے بھونچال آگیا ہو اور دوسرے لمحے میں رنگ و بو اڑاتی ہوئی ایک دلہن جھم سے اندر داخل ہوئی اور اس کے گلے سے لپٹ گئی۔

کیلاش کے سلگتے ہوئے بدن پر گویا ٹھنڈے پانی کے چھینٹے پڑ گئے۔ وہ چند لمحوں تک ایک دوسرے کے گلے سے لپٹے رہے۔

کیلاش کو ادشا سے ایسی جرات کی امید نہیں تھی۔ مگر اس کی اس حرکت سے باہمی تعلق کی وہ ڈور جسے کیلاش اپنے تصور میں ٹوٹی ہوئی محسوس کرنے لگا تھا اب مضبوط تر ہوگئی۔

رفتہ رفتہ دن گزرنے لگے۔ پہلے چند دن کیلاش نے محبوبہ کو جی بھر کر پیار کیا۔ اس کے جوڑے پازیب اور کانوں میں پڑے ہوئے کانٹوں نے تو گویا اس کو واقعی دلفریب حسینہ بنا دیا تھا۔

ڈیڑھ دو مہینے کے بعد ادشا کی رخصتی کے تذکرے ہونے لگے۔ کیلاش کے ذہن پر یہ ٹھوس حقیقت عیاں ہونے لگی کہ دنیا اور سماج کی نظروں میں ادشا غیر کی ہو چکی ہے۔ اس لئے اسے جلد یا بدیر اس کی جدائی برداشت کرنی ہی پڑے گی۔۔۔۔۔

یہ خیال بڑا تکلیف دہ تھا۔ اس دوران میں وہ تل کو خط لکھے بغیر نہ رہ سکا۔ جواب آیا

دوست!

اتنا تو تم بھی تسلیم کرو گے کہ تم منطق سے کام نہیں لے رہے، محض جذباتی ہو رہے ہو۔ تم کہتے ہو کہ اس لڑکی سے شادی کرنے کا قطعاً ارادہ نہیں تھا۔ پھر کہتے ہو کہ تمہیں یہ خیال بھی پریشان رکھتا ہے کہ وہ لڑکی دنیا میں محض تمہیں سے محبت کرتی ہے اور تمہاری وجہ سے اس کی زندگی برباد ہو رہی ہے ...... خیر جو ہو سو ہو ایک بات یقینی ہے کہ اب بدلے ہوئے حالات میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ تم دونوں کو چاہیئے کہ نئے حالات میں ڈھلنے کی کوشش کرو۔ میری صاف رائے یہ ہے کہ تم لڑکی والا امکان چھوڑ دو۔ کسی اور اچھی سی لڑکی سے شادی کر لو۔ اور اسے بھی موقع دو کہ وہ اپنے پتی کی وفادار بیوی بن کر رہ سکے اور بس۔ اس کے علاوہ کوئی بھی قدم اٹھاؤ گے تو خود بھی پریشان ہو گے اور اس لڑکی کو بھی خراب کرو گے

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

تمہارا اتل

حالانکہ دیرِ جاناں کو ترک کر کے نئے مکان میں قیام کرنا کیلاش کے لئے ناخن سے گوشت الگ کرنے سے کم اذیت دہ نہیں تھا۔ تاہم اس نے دوست کے مشورے پر عمل کرتے

ہوئے شرماجی کا کمرہ خالی کر دیا۔

ادشا کے دوبارہ سسرال چلے جانے کے بعد ان کے وہاں رہنا اس کے لئے یقیناً ناممکن تھا اور چونکہ ادشا اس کے وہاں سے چلے جانے کے حق میں نہیں تھی اس لئے اس نے اس وقت تک مکان تبدیل نہیں کیا جب تک کہ وہ سسرال روانہ نہیں ہو گئی۔ جاتے جاتے اس کی کمسن محبوبہ نے شادی کی متعدد چوڑیاں توڑ ڈالیں ہر چند یہ بدشگونی تھی۔ لیکن اس نے وہ ٹکڑے اپنی برباد محبت کی نشانی پریمی کی خدمت میں پیش کر دیئے۔ کیلاش نے وہ ٹکڑے لفافے میں بند کر کے انہیں محفوظ کر لیا۔

اس دوسری جدائی سے کیلاش کے دل کو عجیب طرح کا رنج ہوا۔ روح پر اداسی کا غبار طاری تھا لیکن بقول متل اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ اس مسئلہ پر عملی نقطۂ نظر سے غور کرے۔ اب دل کی پکار کے خلاف زبان دانتوں تلے دبا کر متضاد راستے پر قدم بڑھانا تھا۔ اگرچہ اس رُخ اٹھایا ہوا قدم اسے ادشا سے دور ___ دور تر لے جائے گا۔

ایسے آڑے وقت میں متل اس کے کام آیا۔ بعض لوگ سچ مچ دوستوں کے کام آنے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ متل نے مشورہ دیا کہ اخبار میں شادی کا اشتہار دے دیا جائے۔ اتنے اچھے بر کے لئے لڑکیوں کی بھلا کیا کمی۔ کیلاش کا دل بہت بوجھل ہو رہا تھا۔ اس نے یہ سب کچھ متل پر چھوڑ دیا۔ چنانچہ انگریزی زبان میں مندرجہ ذیل مفہوم کا اشتہار دے دیا گیا۔

ضرورت ہے صحیح معنوں میں حسین لڑکی کی جو پڑھی لکھی سوشل اور شریف خاندان سے تعلق رکھتی ہو، لڑکا تعلیم یافتہ خوبصورت صحت مند اور اچھے خاندان کا فرد ہے۔ سرکاری ملازم ہے۔ ماہوار تنخواہ ساڑھے چار سو روپے۔

اشتہار شائع ہونے کے تیسرے دن ہی لڑکی والوں کی جانب سے خطوط کا تانتا بندھ گیا

آٹھ دس روز میں سو سے اوپر خطوط موصول ہو گئے۔ ان خطوط کی وجہ سے ایک گہما گہمی پیدا ہو گئی۔ متل چٹخارے لے لے کر اسے خطوط سناتا اور رفتہ رفتہ کیلاش کا دل بہل گیا۔

لڑکی والے بھی لڑکے کی بابت تفصیلی معلومات کے طلبگار تھے۔ متل نے پہلے ایک کچی عبارت تیار کی۔ اس میں کیلاش کی عمر، رنگ، خط و خال، عادات، ذات پات، ماں باپ، خاندان وغیرہ کی بابت تفصیلی معلومات جمع کر دیں۔ پھر اس کی متعدد نقول ٹائپ کروائیں۔

پہلے لڑکی والوں کے سب خطوط میں سے چند پسندیدہ خطوط چھانٹ لیے گئے باقی ضائع کر دیئے گئے۔ منتخب خطوط کے پتوں پر جواب روانہ کر دیئے گئے۔ غرض اس طرح خاصے بڑے پیمانے پر خط و کتابت شروع ہو گئی۔ یہاں تک کہ کچھ عرصہ بعد بعض پارٹیوں سے پیچھا چھڑانا پڑا۔ باقی صرف چند پارٹیاں رہ گئیں۔ اب کیلاش نے مشورہ دیا کہ ماتا جی کو بلا لیا جائے تاکہ وہ خود اس معاملے کو طے کر سکیں۔

کیلاش کی ماتا جی کو اس مفہوم کا خط ملا تو وہ اچھل پڑیں۔ بیٹا باروزگار تھا۔ اب صرف شادی ہی کی کسر تھی۔ باپ نے کہا کہ آخر یہ چھوکرا کیا کرتا پھر رہا ہے۔ رشتہ تو ہم تلاش کریں گے۔ اس پر بیوی بولیں۔

" اجی ہٹاؤ تمہارا تو جیون بھر حال ہی یہ رہا ہے گھڑی میں ماشہ اور گھڑی میں تولہ۔ میرا بیٹا تو گُنو ہے گُنو۔ اس کے کسی دوست کا خط ہے کہ چند رشتے ہیں آ کر دیکھ لیجئے۔ تو پھر میرے جانے میں حرج ہی کیا ہے۔"

ماتا جی فوراً ان کے پاس آ پہنچیں اور پھر کیا تھا بات چیت بڑے زور شور سے شروع ہو گئی۔ لڑکی والی پارٹیوں کو ان کی امارت اور وقار کا پتہ لگا تو وہ ہر ممکن طریقے سے یہ رشتہ لینے کے درپے ہو گئے۔

کیلاش کا خیال تھا کہ وہ لڑکی دیکھ لے لیکن لڑکی والوں کو اعتراض ہو یا نہ ہو ماتا جی نے یہیں سے ٹال دیا "ارے چل، بڑا صاحب بنا پھرتا ہے ہم جو ہیں لڑکی دیکھنے والے"۔

کافی دے کے بعد ایک جگہ رشتہ طے ہو گیا۔

کیلاش بڑی طرح چکرا گیا تھا۔ اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ واقعات اس تیزی سے قدم اٹھائیں گے اور جس بات کا اس کے ذہن میں خیال نہیں جما تھا اس قدر جلد طے ہو جائے گی اب انکار کرتے بنتی تھی نہ اقرار۔ چنانچہ وہ بیچارا دم سادھ کر چپ ہو رہا۔ اس نے یہ جاننے کا خیال بھی ترک کر دیا کہ لڑکی کی شکل و صورت کیسی تھی۔ البتہ متقل اسکی موجودگی میں ماتا جی سے کرید کرید کر سوال کرتا۔ ماتا جی لڑکی کا رنگ کیسا ہے۔ بال لمبے ہیں نا۔ آنکھیں بڑی ہیں نا۔ قد خوب لمبا ہے نا۔ جسم اکہرا ......"

ماتا جی چپت مارنے کے سے انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہتیں "برخوردار! سب کچھ ٹھیک ہے، ہم نے کوئی دھوپ میں بال سفید نہیں کئے ہیں"۔

ہر چہار جانب سے مبارک مبارک کی صدائیں سنتی ہوئی ماتا جی گھر لوٹ گئیں اور بیاہ کی تیاریاں بڑے زور شور سے شروع ہو گئیں۔

تیاریاں مکمل ہو گئیں تو شادی کی تاریخ کے قریب کیلاش کو چند روز کی چھٹی لے کر گھر جانا پڑا۔

کیلاش کے حواس قائم نہیں تھے۔ اس کی دانست میں جیسے یہ سب کچھ خواب کی حالت میں ہو رہا تھا۔ وہ کسی معاملے میں نہیں بولا۔ جو کپڑے انہوں نے سلا دیئے وہ قبول کر لئے بزرگ جو کام جس طرح سے ہو گیا سو ہو گیا۔ اس نے کچھ دخل نہیں دیا۔

آخر ایک روز وہ بھی آیا جب بارات لڑکی والوں کے شہر کی جانب روانہ ہو گئی۔ ایک بار پھر

شہنائیوں کی صدائیں فضا میں گونج اٹھیں۔ فلمی ترانے ہوا میں اڑنے لگے سنسکرت کے اشلوک اور پھر ایک انجانی لڑکی کے ساتھ اس نے مقدس آگ کے گرد چکر کاٹے اور بالآخر وہ گھڑی بھی آن پہنچی جب بارات لوٹ آئی اور کیلاش نے جیسے خواب میں چلتے پھرتے گھوم کر دیکھا کہ گھڑی بنی ہوئی ایک لڑکی اس کے دامن سے بندھی تھی ...... وہ اس کی اور محض اس کی بیوی تھی۔

خواب گاہ میں کھڑے کھڑے کیلاش نے کمرے کے پرلے سرے پر کھلی ہوئی کھڑکی میں تاروں کی جانب دیکھا جو یوں نظر آ رہے تھے جیسے سیاہ چوکھٹے میں آبدار موتی جڑے ہوں۔ متضاد خیالات واحساسات کے ہجوم میں اس کا ذہن سوچنے اور فیصلہ کرنے کی قوت سے خالی ہو چکا تھا۔ بظاہر وہ پرسکون دکھائی دیتا تھا۔

آج شادی کی پہلی رات تھی۔

اگر کسی اور سے اسے محبت نہ ہوئی ہوتی تو آج کی رات یقیناً اس کی زندگی کی اہم ترین رات ہوتی، اور یہی بات اس کے دل میں کھٹک رہی تھی۔

ایک جانب وہ ایک ایسی لڑکی کو چھوڑ آیا تھا جس نے اس سے بے پناہ محبت کی تھی۔ جس نے اس کی ذات کو اپنی ذات میں مدغم کر لیا تھا اور دوسری طرف وہ ایک ایسی لڑکی کی جانب قدم بڑھا رہا تھا جسے اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جس کے سینے میں دھڑکنے والے دل کی تال پر اس کا اپنا دل کبھی نہیں دھڑکا تھا ...... اس لڑکی نے کبھی کسی بات کا دعویٰ نہیں کیا تھا حسن صورت کا۔ لیاقت کا ' امارت کا ...... اس لڑکی نے صرف یہ کیا کہ ایک راہگیر کے قدم پکڑ لیے۔ اس نے پاؤں پیچھے ہٹانے چاہے تو اس نے ان پر سر ٹیک دیا۔ عشق کی اس سے زیادہ اور کیا مجبوری ہو سکتی تھی۔ اور یہ عورت سماج کے حکم سے والدین کے آشیرواد سے اس

کی ملکیت ہو چکی تھی ۔ وہ اس کی جیون ساتھی بن چکی تھی ۔ اُسے اس کے والدین نے کہا۔ جاؤ بیٹی جاؤ ہم نے تمہیں ایک اجنبی کو سونپا۔ یہ بازی تو ہمیں ایک روز ہارنی ہی تھی سو ہم نے ہار دی۔

لیکن ایسا کیوں ہوا ...... کیوں ہوا

کیلاش کے دماغ میں ہتھوڑے سے بجنے لگے ۔ مگر اس میں اس کا کیا قصور تھا۔ اس نے کب کسی سے محبت کی تھی ۔ اس نے کب کسی کو اپنایا تھا۔ فی الحقیقت اس نے اوشا کی محبت کی خواہش نہیں کی تھی ۔ اس کے ذہن میں اوشا کے ساتھ شادی کرنے کا کبھی خیال تک نہیں پیدا ہوا تھا ..... تو پھر یہ کشمکش کیسی یہ کس قدر غیر منطقی بات ہے ۔ شاید میں بہت جذباتی ہوں ۔ دل دماغ پر حاوی ہے ..... زندگی کا عملی پہلو ..... متل کے یہ الفاظ اس کے ذہن میں گونجنے لگے ۔ اور پھر اُسے ان الفاظ سے کراہت محسوس ہونے لگی

اپنے ذہن کو اُلجھن سے نکالنے کے لئے اس نے قدم آگے بڑھایا۔

رنگین پلنگ پر دُلہن گٹھری بنی بیٹھی تھی ۔ اس نے لمبا گھونگھٹ نکال رکھا تھا اور اس کے بدن کا کوئی حصہ بھی ننگا نہیں تھا ۔ یہاں تک کہ ہاتھ پاؤں بھی رنگین کپڑوں کی سلوٹوں میں گم تھے ۔

کیلاش کے لبوں پر بے اختیار لمحہ بھر کو متضاد جذبات لئے ہوئے ایک مسکراہٹ کھیل گئی ..... اس وقت اسے اپنی بیوی السٹریٹیڈ ویکلی کے معمے کے مانند دکھائی دیتی تھی ۔

وہ قدم بہ قدم آگے بڑھتا چلا گیا اور پلنگ کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اب اس نے سوچا کہ اسے کیا کہنا چاہیے ۔ کچھ کہنا چاہیئے لیکن کیا؟ ..... ابھی تک اس نے اس بات پر غور نہیں کیا تھا۔ ایسے موقعوں پر کیسی باتیں کرنی ہوتی ہیں ۔ اگر اس کے دل میں کوئی الجھن نہ بھی ہوتی تو بھی

بغیر شکل دیکھے وہ کیا کہہ سکتا تھا۔ بغیر ایک دوسرے کو جانے انسان کیونکر باتیں کرسکتا ہے وہ بھی ایک عورت سے۔!

رنگین اور ریشمی کپڑوں کی گٹھری کو اس نے انگلیوں سے چھوا تو ساری گٹھری میں ایک لرزش سی پیدا ہوئی اور وہ اور بھی سمٹ گئی۔

اس کا جی چاہا کہ اٹھ کر چل دے۔ خفگی کے مارے نہیں بلکہ یونہی.... آخر اس غریب کو چھیڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ اس کا کیا لیتی ہے بیٹھی رہے بیچاری! لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اس قسم کا رویہ اختیار کرنا حیوانیت ہے۔ یہ تو ہندوستان کا پرانا رواج چلا آرہا ہے کہ دلہن شرمائے اور دولھا باتھ بڑھائے..... کاش وہ کچھ کہہ سکتا..... لیکن کیسے۔ بغیر دیکھے وہ کچھ کیسے کہہ سکتا تھا۔ اس کو کچھ سوجھتا ہی نہیں تھا۔

آخر ایکا ایک اس نے دونوں ہاتھوں سے (۳) کا گھونگھٹ ہٹا دیا.........

پہلے چند لمحوں کے لئے اس کی آنکھیں چندھیا کر رہ گئیں جیسے بالکل معاً فوس قزح دیکھ کر بدک جائے۔

وہ اس قدر حسین تھی کہ انسان کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آسکتا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کیلاش نے کبھی کبھار اس طرح کی صورت دیکھی ہو لیکن ایسی بیوی اس کے حصہ میں آئے گی اس اسے خواب میں بھی خیال نہیں آیا تھا۔ نور کے سانچے میں ڈھلی ہوئی وہ لڑکی! کہ پتلی کس قدر بے عیب اور نازک تھی وہ..... جو اب اسکی بیوی تھی۔ جیسے یہ دردکار کے کارخانے سے ابھی ابھی تو یہ تیار ہوئی ہو اور پھر آپ کو قرینے سے نہا کر اس کے بستر پر بیٹھا دی گئی ہو۔

بستر پر بیٹھنے کے بجائے دھیرے دھیرے اس نے زمین پر گھٹنے ٹیک دیئے

معاً اسے اوشا کا خیال آیا جس کا حسن وحشی تھا جس کا دل گرم تھا جس کی آنکھوں میں چمک تھی اور چہرے پر دمک......

پھر جب اس نے ناد انستہ طور پر آنکھیں اوپر اٹھائیں تو اس بت کو نامنون بے حس وحرکت پایا صرف اس کے لب لعلیں نامعلوم طور پر متحرک تھے جیسے گلاب کی پنکھڑیاں نسیم سحری میں لرزاں ہوں........ اس نے لبوں کی جانب منہ بڑھایا لیکن ہونٹ اس کی ٹھوڑی پر جم کر رہ گئے ......کیونکہ ان نرم و نازک لبہائے لعلیں کو نظروں سے اوجھل کرنے کی اس میں تاب ہی نہیں تھی ....

شادی کے چند روز بعد جب کیلاش دفتر پہنچا تو میز پر اوشا کی بند چٹھی پڑی ملی وہ اس کا خط پہچانتا تھا۔ اس نے لفافہ اٹھایا تو اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے قدرے تامل کے بعد لفافہ چاک کیا۔

میرے مالک!

ایک طویل ذہنی کشمکش کے بعد چند سطور آپ کی خدمت میں بھیجنے کی جرأت کر رہی ہوں۔ میں آپ کی شادی میں شامل نہیں ہوئی کیونکہ میں اس حادثے کو برداشت کرنے سے معذور تھی اور عین ممکن تھا کہ میری موت واقع ہو جاتی۔ میں مرنے سے نہیں ڈرتی لیکن اس قدر اذیت دہ موت میرے بس کا روگ نہیں ہے۔ میں جھوٹ بول کر آپ کا دل خوش کرنا نہیں چاہتی۔ فی الحقیقت آپ کی شادی نے میری محبوب ترین شے نوچ کر چھین لی ہے۔ مجھے اپنی شادی کا غم نہیں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ مجھے آپ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔

اخلاقی اعتبار سے میرے لئے اس قسم کی باتیں لکھنا پرلے درجے کی بیحیائی ہے۔ لیکن میں شادی سے پہلے اپنے آپ کو مکمل طور پر کسی کے حوالے کر چکی تھی کاش میں خود

کو خط نہ لکھنے پر مجبور کر سکتی ۔

آپ کی اوشا

طرزِ تخاطب ہی سے بے حد افسردگی کا اظہار ہو رہا تھا۔ کیلاش کو اتنی خاکساری پسند نہیں تھی۔ وہ سوچنے لگا "آخر اس بے وقوف نے مجھ سے محبت ہی کیوں کی تھی۔ مفت میں بیٹھے بٹھائے خود بھی آفت مول لی اور مجھے بھی مصیبت میں ڈال دیا۔ اگر میں اپنے دل پر جبر کر بھی لوں تو اس کی مصیبت میرے لئے پریشانی کا باعث بنی رہے گی۔" آخر وہ جواب کیا لکھے۔ اگر اس کا ایکسپوز کرے وہ کچھ لکھے بھی تو نہ جانے کس کے ہاتھ لگے اور پھر اس کا جو نتیجہ نکلے گا وہ تو ظاہر ہی ہے۔

اسی ادھیڑ بن میں وہ کچھ نہ لکھ پایا۔ یہاں تک کہ اوشا کا دوسرا خط موصول ہوا۔ جس میں لکھا تھا۔

"...... سنتی ہوں کہ آپ کی پتنی بے حد خوبصورت اور نازک بدن ہیں اور اس قابل ہیں کہ آپ انہیں سر آنکھوں پر بٹھائیں ...... لیکن مجھے اس کا کچھ غم نہیں۔ آپ کے قدموں پر تو کسی اور کا قبضہ ہے!"

پہلی چٹھی کی طرح کیلاش دوسری چٹھی کا جواب بھی نہ دے سکا۔ اوشا نے اس کے دل میں مستقل طور پر اپنے لئے جگہ بنالی تھی لیکن اب حالات بدلے یا بگڑے ہوئے حالات کا کچھ ایسا اثر ہو رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اوشا اس سے اس قدر والہانہ محبت نہ کرے بلکہ اپنے حالات سے قابلِ عمل حد تک سمجھوتہ کرلے۔

چٹھی لکھنے سے بھی اسے الجھن سی محسوس ہوتی تھی۔ اگر وہ اس کی محبت اموال کا کسی حد تک بھی گرمجوشی سے جواب دے تو مشکل اور خشک سا کاروباری قسم کا جواب لکھ دے تو بھی ٹھیک نہ تھا۔ بہرکیف اس نے الٹ پھیر کر مندرجہ ذیل خط اس انداز سے لکھا کہ اوشا کو ناگوار نہ

خشک بھی نہ معلوم ہو اور اگر کوئی اور پڑھ لے تو اعتراض نہ کر سکے ۔

اوشاجی!

آپ کے خطوط ملے افسوس کہ کام کی زیادتی کے باعث میں جواب نہیں دے سکا ۔ میرے لئے یقیناً یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ مجھے ابھی تک نہیں بھولیں ۔ جن دنوں آپ کے وہاں رہا آپ لوگ بے حد عنایت اور محبت سے پیش آتے رہے ۔ میں اس سلوک کو عمر بھر بھلا نہیں سکوں گا ۔۔ آپ شادی پر تشریف نہیں لائیں مجھے اس بات کا رنج بھی ہے اور شکایت بھی ۔۔۔ آپ مجھے مبارکباد بھیجتی ہیں ۔ شکریہ ۔ لیکن اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ میں خوش ہوں مطمئن ہوں تو یہ خیال غلط ہے ۔ یاد رکھئے کوئی انسان بھی مکمل طور پر خوش نہیں ہے صرف یہ سوچ کر کہ آدمی کی ہر خواہش پوری نہیں ہو سکتا دل کو تسکین دینی پڑتی ہے ۔ آخر کائنات میں انسان کی حقیقت ہی کیا ہے مجھے امید ہے کہ آپ کبھی کبھی خط سے مجھے نوازتی رہیں گی ۔

مخلص ۔ کیلاش

اس خط کا واپسی ڈاک سے جواب آیا ۔

میرے دیوتا!

جی چاہتا ہے کہ کورا کاغذ آپ کی خدمت میں بھیج دوں ۔ کیونکہ آپ کے ہاتھوں کا لکھا ہوا عنایت نامہ پاکر جو خوشی مجھے حاصل ہوئی نہ تو اس کا اظہار کر سکتی ہوں اور نہ یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آپ کو کیا لکھوں ۔ آپ مجھے کم گو اور تنہائی پسند لڑکی کی حیثیت سے جانتے ہیں لیکن جو طوفان میرے سینے کے اندر بپا ہے اس سے آپ واقف نہیں ہیں ۔۔۔ مانا کہ انسان کی ہر خواہش پوری نہیں ہو سکتی ۔۔۔ یہ نارمولا ایسے موقع پر تو چل سکتا ہے جب خواہشوں کا ہجوم ہو ۔۔۔ لیکن اگر کسی کے دل میں خواہش ہی ایک ہو ۔۔ تو؟

صرف آپ کی ہمیشہ آپکی

اوشا

اس طرح اوشا کے محبت نامے آتے رہے جن کا جواب وہ نہیں دے سکا۔ کچھ تو اپنی ذہنی کشمکش کے باعث اور کچھ ان افواہوں سے پیدا شدہ کوفت کی وجہ سے کہ اس کی عارضی ملازمت ختم ہونے کو ہے

آخر اسے ملازمت سے سچ مچ جواب مل گیا۔ ایک ماہ کا نوٹس موصول ہونے پر اس نے کافی دوڑ دھوپ کی۔ کبھی آس بندھ جاتی کبھی ٹوٹ جاتی ــ لیکن بالآخر امید ختم ہو گئی۔ انہیں دنوں اوشا کی ایک اور چٹھی آئی ـ لکھا تھا۔

من موہن!

یہ میرا آخری خط ہے ـ آئندہ میرا دل آپ کو آوازیں دیا کرے گا۔

آپ یہ نہ سمجھئے گا کہ آپ کے جواب نہ دینے پر میں ایسا کر رہی ہوں ـ جی نہیں۔ اس لئے کہ محبت کا دعویٰ آپ کو نہیں مجھے ہے۔ اپنے جذبۂ صادق سے میں ذرہ برابر بھی مایوس نہیں ہوں ــ شاید کبھی آپ سوچتے ہوں کہ ہم دونوں کے مابین آخر یہ سب کچھ کیا تھا۔ میں بتاؤں ـ ہوا یہ کہ ــ آپ نے مجھے اس بات کا احساس دلا دیا کہ آپ کے بغیر میری زندگی اندھیری ہے بے معنی ہے۔ لیکن یہی احساس میں اپنی ذات کے بارے میں آپ کو نہیں دلا سکی ــ افسوس!

ہمیشہ ہمیشہ آپ کی رہنے پر مجبور

اوشا

اوشا کا ہر خط کیلاش کے دل پر نشتر کا کام کرتا تھا اور دنوں تک اسے اپنے پہلو میں ایک کرب سا کروٹیں لیتا محسوس ہوتا تھا ــ اُس نے سوچا کہ اس چٹھی کا جواب بمبئی سے ذرا اطمینان کے ساتھ دوں گا۔ کیونکہ اس نے بمبئی میں اپنے دوست نوتن کو اپنی بے روزگاری کے بارے میں خط لکھا تھا اور نوتن نے جواب دیا تھا کہ وہ اس سلسلے میں اس کی ہر مدد کرے گا۔

نوکری چھوٹنے پر وہ بیوی کو اس کے میکے چھوڑ آیا۔ رخصت ہونے سے پہلے اس نے
بیوی کا نازک اور گورا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا۔
"ڈارلنگ میں تمہیں جلد از جلد بمبئی بلاؤں گا۔"

بمبئی آئے ہوئے کیلاش کو دو ماہ ہو چکے تھے۔ کئی بار امید بندھ بندھ کر ٹوٹ چکی تھی۔ اگر نوتن وہاں موجود نہ ہوتا تو وہ کبھی کا منہ کی کھا کر لوٹ گیا ہوتا۔
ہر قسم کے انسانوں کی جد و جہد اور تگ و دو کے جو نظارے بمبئی میں دیکھنے میں آئے وہ اس نے کہیں اور نہیں دیکھے تھے۔ دال روٹی کا چکر ایسا شدید تھا کہ لوگ شب و روز پاگل جانوروں کی طرح ادھر ادھر دوڑتے رہتے تھے۔
انسانوں کے اس جنگل میں اپنی بقا کے لئے جد و جہد کرنا کیلاش کے بس کی بات تو تھی لیکن اب اس پر اپنی بیوی کی ذمہ داری بھی تھی۔ وہ بیوی جو بے حد حسین تھی۔ البتہ نوتن بمبئی میں اتنی آسانی اور روانی سے زندگی بسر کرتا تھا جس آسانی سے مچھلی سمندر میں گھوما کرتی ہے۔ کیلاش اپنی مشکلات کا ذکر کرتا تو نوتن کہتا۔
"دوست! اسی لئے تو میں نے تم سے کہا تھا کہ کچھ عرصے تک ٹھوکریں کھانی پڑے گی اور یہ بات بہت سخت ہے اور استاد! شکر کرو کہ میں اس دریا کا مگرمچھ پہلے سے یہاں موجود ہوں ورنہ تمہیں چھٹی کا دودھ یاد آجاتا۔"
کیلاش کو اس حقیقت کا اعتراف تو تھا ہی، یوں بھی وہ اپنے دوست کی قابلیت کا قائل ہو گیا تھا۔ نوتن کی مالی حالت بھی مستحکم نہیں تھی۔ اس کے اخراجات بہت بڑھے ہوئے تھے اور انہیں پورا کرنے کے لئے اسے خاصی دوڑ دھوپ کرنی پڑتی تھی۔ لیکن بقول خود وہ اس دریا کا مگرمچھ تھا۔ بیچارا کیلاش زندگی کی اس کشمکش میں نیا نیا گرفتار ہوا تھا۔ بڑی مشکل

سے ملازمت ملی وہ بھی عارضی۔ ابھی وہ اپنے پاؤں پر جم کر کھڑا بھی نہیں ہو سکا تھا کہ قدرت نے کٹی پتنگ کی طرح اسے بیچ دھارے میں پھینک دیا۔ ان دنوں وہ نوتن کے فلیٹ میں ہی ٹھہرا ہوا تھا۔ ایک صبح جبکہ نوتن ناشتہ کئے بغیر ہی گھر سے نکل گیا تھا اور کیلاش ناشتہ کرنے کے بعد پلنگ پر لیٹا تازہ اخبار پڑھ رہا تھا کہ نوتن ایک دھماکے کے ساتھ کمرے میں آیا اور ہیٹ ہوا میں پھینکتا ہوا بولا " لاؤ ہاتھ ۔۔۔ ار و یار آج "

"کیوں خیریت ؟"

"بھئی تمہارا ہمارا دنوں کا کام بن گیا ہے "

کیلاش ہمہ تن سوال بنا بیٹھا تھا۔ پھر امید نے سر اٹھایا۔ امید کئی دفعہ سر اٹھا چکی تھی۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ البتہ نوتن بلا ضرورت آپے سے باہر بہت کم ہوتا تھا۔ کیلاش بولا " یار چھوڑ دو یہ تمہید۔ اب غلط امیدیں باندھنے کے موڈ میں نہیں ہوں "

نوتن نے اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے اس کی ران پر ہاتھ مار کر کہا ۔ "نہیں میری جان ۔۔۔ جب میں لاہور گیا تھا تو ایک پارٹی سے بہت کچھ طے کر آیا تھا۔ اب وہی پارٹی بمبئی آگئی ہے۔ بھئی کیا بتاؤں ایک فلم کے ریلیز نہ ہونے کے باعث میری ساکھ میں فرق آگیا تھا۔ اس پارٹی کے پڑھے لکھے سمجھدار لوگ ہیں اور میری لیاقت کے قائل بھی ہیں۔ میں بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں اب ایسی فلم تیار کروں گا کہ ایک بار تو تہلکہ مچ جائے گا۔"

" پھر تو بہت اچھی بات ہے "

" اب تمہیں میرا ہاتھ بٹانا ہوگا......"

" اس کا مطلب یہ ہے کہ معاملہ بالکل پکا ہو چکا ہے ...."

" ابھی ایک نشست کی بات اور ہے "

"یہی نشست بھی اے کریٹ جائے گی۔"

"ارے نہیں بھئی دیکھو میں پہلی بار اپنی جانب سے تمہیں امید دلاتا ہوں۔ بس گھبراؤ نہیں ۔ آج ہم لنچ انہیں کے وہاں کھائیں گے ۔ اور تمہیں میرے ہمراہ چلنا ہوگا۔ میں نے تمہارا ذکر بھی کر دیا ہے ۔

ایک بجے کے قریب وہ اس پارٹی کے وہاں پہنچ گئے ۔ کھانا کھانے کے بعد جو گفتگو ہوئی تو کیلاش کا سر چکرا گیا ۔ اس پارٹی کے لوگ بہت دور اندیش اور ہوشیار معلوم ہوتے تھے لیکن نوتن چونکہ اپنی لائن کا پورا پورا تجربہ رکھتا تھا اس لئے معاملہ بالآخر طے ہوگیا۔ نوتن کے ساتھ تو بطور ڈائرکٹر معاہدہ کرلیا گیا ۔ اور کیلاش کو سات سو روپے ماہوار پر مستقل طور سے ملازمت دے دی گئی ۔ اس کے علاوہ وہ فلم کے مکالموں کے لئے اُسے کچھ روپیہ یکمشت دینے پر بھی رضامند ہو گئے

یہ معاملہ طے ہوتے ہوتے پانچ بج گئے جب وہ ہوٹل سے نکلے تو بہت خوش تھے کیلاش بولا "بھئی بڑی سخت بحث ہوتی رہی تم لوگوں کی لیکن آخر تم جیت گئے ۔"

"ہاں دوست میرا اصول ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ جس کام کا بیڑا اٹھاؤ اُسے پوری ایمانداری سے نبھاؤ ۔ یاد رکھو ہمارے لئے یہ سنہرا موقع ہے ۔ آئندہ کے لئے اپنی مارکیٹ کا دارومدار بھی اسی پر ہے ۔"

"درست ہے لیکن تم دیکھو گے کہ تم دیگر کمپنیوں سے بھی روپیہ حاصل کرسکو گے شرائط کے مطابق اور کنٹرکٹ بھی حاصل کر سکتے ہو ۔"

بازار میں چلتے چلتے نوتن رُک گیا اور بولا " او یار سامنے والے پارسی کے ریستوران کے وہاں کافی پی کر ذرا تازہ دم ہوجائیں ۔"

بادل چھائے ہوئے تھے۔ جب وہ ریستوران پہنچے تو ہلکی ہلکی پھوار پڑنے لگی تھی۔ گرم گرم کافی کا گھونٹ پینے کے بعد نوتن نے تھری کیسلز سگریٹ کا طویل کش لیا اور اطمینان کے ساتھ آنکھیں موندتے ہوئے کہا۔

”آہا! کیسا سہانا سماں ہے۔“

پھر جب دھیرے دھیرے اس کی آنکھیں کھلیں، تو ضرورت سے زیادہ کھل گئیں۔ ”ارے ہلو ڈاکٹر! تم کب آئے؟“

کیلاش نے گھوم کر دیکھا۔ ایک چھبیس سالہ ناچپٹ چہرے والا مرد معہ دو حسین عورتوں کے نوتن سے ہاتھ ملا رہا تھا۔

نوتن نے تعارف کروایا۔ ”یہ میرے دوست مسٹر کیلاش۔ آپ ڈاکٹر راجن، آپ مسز راجن، اور آپ ڈاکٹر صاحب کی ہمشیرہ مس کرن۔“ بات چیت کرنے کے بعد وہ دوسری میز کے گرد جا بیٹھے۔

نوتن نے کہا ”ڈاکٹر کی بہن کتنی حسین ہے۔ میں نے اسے فلمی دنیا میں لانا چاہا لیکن وہ رضامند نہیں ہوئی۔“

باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ یہاں عارضی طور پر آئے ہیں۔ لیکن وہ لوگ رہتے کہاں ہیں اس کا پتہ نہ چل سکا۔

ستمبر ۱۹۴۶ء کے آخری دنوں میں کیلاش بمبئی آیا تھا۔ ابتدائی جدوجہد کے بعد جو اس کا ستارہ چمکا تو ۱۹۴۷ء کے خاتمے تک معقول پونجی جمع کر لی۔ اس دوران میں اوشا کی جانب سے ایک سطر بھی موصول نہیں ہوئی۔ وہ بھی اس شوریدہ لڑکی کو بھلا نہیں سکا لیکن اس نے بھی اسے خط نہیں لکھا۔ اس خیال سے کہ شاید اس نے حالات سے سمجھوتہ کر لیا ہو۔ اب اسے بیٹھے

لکھنا گویا دبی ہوئی چنگاری کو کرید نے مترادف تھا۔ بیوی سے البتہ خط و کتابت جاری رہی
اس کی بیوی خط و کتابت کے معاملے میں اپنی عادت کے مطابق سرد مہری سے کام لیتی تھی
یوں تو ان میں سب ہی باتیں ہوتی تھیں اس کے دکھ درد کے بابت سوال کئے جاتے۔ اس کے
آرام اور صحت کے بارے میں ہدایتیں دی جاتی تھیں لیکن ان میں تیز و تندی نہیں ہوتی تھی
وہ مسکرا کر دل ہی دل میں کہتا۔ بالآخر یہی کچھ ہوتا ہے عورت اور مرد کے ابین! وہ
میری معشوقہ نہیں ہے بیوی ہے۔ میں اس کی نظر میں جانباز عاشق نہیں ہوں۔ اس کا شوہر
اس کا دیوتا ہوں۔ اس کے نقطۂ نظر کی جڑیں گہری اور دائمی ہیں۔

بحیثیت مجموعی وہ مطمئن تھا۔ اوشا کی بابت صرف ایک ہی حسرت تھی کہ کاش اس
سادہ لوح لڑکی نے اس سے اس قدر محبت نہ کی ہوتی۔ اس کی محبت کس قدر تیز و تند
اور منھ زور تھی۔ وہ اس محبت سے ڈرنے لگا تھا۔ اس کے ضمیر میں کانٹا تھا جو کبھی کبھی
اُسے عجیب قسم کا احساس گناہ ہونے لگتا تھا۔ مانا اس لڑکی نے اس سے محبت کر ہی لی
تھی تو اس نے اسے قبول کیوں نہ کر لیا۔ آخر وہ کیا چاہتا تھا۔ اس نے براہ راست
اوشا کی بابت کچھ بھی معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی۔ پہلے پہل خبریں ملتی رہیں کہ وہ اپنے گھر
میں خوش و خرم ہے اور پھر پچھلے چند ماہ سے یہ خبریں ملی تھیں کہ وہ شوہر سے نباہ نہیں کر سکی
اب وہ دونوں الگ ہو گئے ہیں اور اوشا نے پیٹ پالنے کے لئے لڑکیوں کے کسی اسکول میں
نوکری کر لی ہے۔ غرض متضاد قسم کی خبریں ملتی رہیں۔ اوشا سے اُسے ہمدردی تھی۔۔۔۔
لگاؤ تھا لیکن پھر بھی، وہ اس کی بابت کچھ نہیں سوچنا چاہتا تھا۔ ایک مبہم خوف آمیز کیفیت
اس کے ذہن پر چھائی رہتی تھی۔

بمبئی میں کام بنجانے کے بعد کیلاش نے چاہا کہ رہنے کو مکان مل جائے تو وہ بیوی

کو اپنے پاس بلالے لیکن مکان نہ ملنا تھا نہ ملا۔ وہ خود بھی نوتن کے وہاں ٹکا رہا۔ بعد ازاں جب اسے معقول آمدنی بھی ہونے لگی تب بھی نوتن نے یہ کہہ کر کہاں اکیلا مارا مارا پھرے گا ہوٹلوں میں یہیں ڈٹا رہ ـــ اسے جانے نہیں دیا۔

بہرکیف اس نے مکان کی تلاش جاری رکھی، بمبئی میں مکان ملنا قریب قریب ناممکن تھا۔ اس دوران میں نہ اسے بمبئی سے باہر نکلنے کی فرصت ملی اور نہ وہ بیوی کو اپنے پاس بلا سکا، وہ نہیں چاہتا تھا کہ بیوی بھی نوتن کے فلیٹ میں رہے اور اس طرح ان کے گھر کی آزادی میں فرق آئے۔

بالآخر فروری ۱۹۴۷ء میں پانچ ہزار کی پگڑی دے کر اسے ایک اچھا سا فلیٹ مل گیا اور اس نے فوراً بیوی کو بمبئی چلے آنے کے لئے خط لکھ دیا۔

جواب میں جب اسے تار ملا کہ بیوی فلاں روز اپنے بھائی کے ساتھ بمبئی پہنچ رہی ہے تو اس کا دل اچھل پڑا۔ ایک تصویر جو بیوی نے اس کے مانگنے پر چند ماہ پہلے بھیجی تھی اس کی میز پر پڑی رہتی تھی۔ اس نے اسے دیکھا۔ ہمیشہ کی طرح اسے پھر خیال آیا کہ کاش وہ نا والا واقعہ پیش نہ آیا ہوتا تو وہ اس قدر خوبصورت بیوی پا کر کتنا خوش ہوتا۔

روز مقررہ کو اسٹیشن پر گیا۔ گاڑی آئی اور جب وہ بے تابی سے ادھر ادھر تاک رہا تھا تو آواز آئی "جیجا جی"۔

یہ اس کے سالے کی آواز تھی۔

گھوم کر دیکھا تو اس نے انہیں اپنے روبرو پایا۔ اس وقت بیوی کو صرف اچٹتی نظروں سے دیکھ سکا۔ پھر جب وہ ٹیکسی میں ساتھ ساتھ بیٹھے تو اس نے بیوی کی طرف غور سے دیکھا وہ ویسی ہی حسین تھی اور ویسی ہی دلربا البتہ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا ہونٹوں

پر پٹریاں جمی ہوئی تھیں۔ آنکھوں کے گرد ہلکے ہلکے سیاہ حاشیے دکھائی دے رہے تھے وہ ہنسا تو بیوی بھی مسکرادی اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ کہہ رہی ہے "کتنے ظالم ہیں آپ اشادی کے چند مہینے بعد ہی مجھے چھوڑ کر چل دئیے اور پھر لگ بھگ ڈیڑھ برس تک صورت نہیں دکھائی۔ ذرا میری جانب دیکھو میرا کیا حال ہوگیا ہے۔ میرے چہرے کا رنگ میری آنکھیں دیکھئے۔ ایسا ظلم تو کوئی بھی نوخیز حسینہ برداشت نہیں کرسکتی ......"

کیلاش نے جرم کا اقرار کرتے ہوئے سر جھکا لیا۔ لیکن اس نے سوچا کہ اب اس کے پاس کچھ پیسہ ہے وہ اپنی بیوی کے دل کی ہر تمنا پوری کردے گا اور اس کے جیون کو سکھی بنا دے گا اور ایک بار پھر اس نے بیوی کو تاکتے ہوئے دل ہی دل میں کہا۔ صحت ذرا گر جانے سے اس کے حسن میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ پیاری لگنے لگی ہے۔

سالا دو روز کے بعد واپس چلا گیا۔ بیچارہ دفتر سے چھٹی لے کر آیا تھا۔ زیادہ دنوں تک رہنے سے معذور تھا۔ تقریباً دو ہفتے انہوں نے بڑے آرام اور اطمینان سے بسر کئے۔ فرصت کا ایک ایک لمحہ کیلاش بیوی کی قربت میں گذارتا تھا۔

ایک روز جب وہ گھر واپس آیا تو دیکھا کہ اوندھا پلنگ پر اوندھے منہ لیٹی ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ طبیعت متلاتی ہے اور پیٹ میں سخت اینٹھن ہو رہی ہے۔

وہ اسے فوراً لیڈی ڈاکٹر مسز دت کے وہاں لے گیا۔ ڈاکٹر نے بند کمرے میں معائنہ کیا اور پھر ہنستی ہوئی باہر آئی اور چہک کر بولی۔

"اوہ! مسٹر کیلاش گھبرانے کی کوئی بات نہیں...... آپ کی بیوی حاملہ ہیں۔"

"حاملہ!" کیلاش نے چلا کر پوچھا "کب سے؟"

مسز دت اس دوران میں نرس سے بات کرنے لگی تھیں۔ اس نے اس کے الفاظ

تو اس نے لیکن لہجے کے جانب دھیان نہیں دیا۔

نرس سے فارغ ہو کر اس نے کہا "یہی تین چار مہینے سے .... پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ انہیں جسمانی محنت سے بچا کر رکھئے ذرا۔"

اسپتال سے واپس آکر کیلاش نے بیوی سے کوئی بات نہیں کی۔ البتہ اسے گھر چھوڑ کر وہ باہر نکل گیا...... وہ کچھ فیصلہ نہیں کر سکا کہ وہ کہاں جائے۔ کسی دوست کے یہاں جانے میں یہ خدشہ تھا کہ اس کی اداس صورت دیکھ کر اس سے سوالات پوچھے جائیں گے۔ ..... چنانچہ وہ تن تنہا چوپالی جا پہنچا اور گھنٹوں ایک الگ تھلگ جگہ پر گوشہ گیر ہو کر بیٹھا رہا۔

رفتہ رفتہ دن ہفتے اور پھر مہینے بڑی سست رفتاری کے ساتھ گزرنے لگے۔ اُن کی چُبھن عظیم الجثہ آرے کے دندانوں سے زیادہ شدید اور اذیت دہ تھی۔ میاں بیوی دونوں کے لبوں پر چپ سی لگ گئی تھی۔ بشمبھر نے اپنے بشرے سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا۔ لیکن حقیقت اس حد تک ظاہر تھی کہ بیوی نے اپنی صفائی میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ کام کے وقت وہ مصروف رہتی اور بوقت فرصت منہ پر کپڑا ڈال کر چارپائی پر لیٹ جاتی۔

اب کیا ہوگا!

آنے والے بچے کے تصور ہی سے کیلاش کی روح کانپ جاتی تھی۔ کبھی اس کا دل چاہتا تھا کہ بیوی کو چپ چاپ میکے بھیج دے۔ کبھی سوچتا کہ اس کے والدین کو خط لکھ کر سارا حال ان پر ظاہر کر دے ـــ لیکن ہر طرح سے اس کی جان آفت میں تھی۔ اگر وہ اپنے والدین پر یہ راز ظاہر نہیں کرتا تو وہ لڑکی کے مائکے بھیجے جانے پر اعتراض کریں گے۔ الٹا اسے عیاش سمجھیں گے اور

اگر وہ بھید کھول دیتا ہے تو انہیں نہ جانے کتنا رنج ہوگا۔ اس کی والدہ تو پاگل ہی ہو جائیں گی وہ اپنی بہو سے بے حد محبت کرتی تھیں۔ اس کی بلائیں لیتی نہیں تھکتی تھیں ــــ آخر بچہ تو وہاں ہی جا کر پیدا ہوگا۔ راز فاش ہوگا ہی ــــ تو پھر اس میں سب ہی کی بدنامی کا احتمال تھا۔ اسی ادھیڑ بُن میں وقت گزرتا گیا۔ یہ بڑا غنیمت تھا کہ وہ اپنے شہر سے دور پردیس میں تھے ورنہ اب تک یہ خبر دور دور تک پھیل گئی ہوتی۔

انتہائی دکھ اور اذیت کے تین ماہ گزر گئے۔ بعض اوقات جب انسان کے چاروں جانب تاریکی ہی تاریکی ہوتی ہے۔ راستہ سجھائی نہیں دیتا معاً روشنی کی کرن نامعلوم سمت سے چمک اٹھتی ہے ...... شاید اسی قسم کی کیفیت کے تحت کیلاش اس بارے میں خاموش تھا۔

اب اس کی بیوی کو حاملہ ہوئے سات مہینے ہو چکے تھے کہ دفعتاً حاملہ کی طبیعت خراب ہوگئی اور مارے درد کے وہ نیم بیہوش ہوگئی۔ اسی حالت میں اسے اسپتال لے جایا گیا۔ وہاں اسے لیڈی ڈاکٹر دت کے سپرد کر دیا گیا۔

ڈاکٹر اندر کمرے میں مریضہ کا معائنہ کر رہی تھی اور کیلاش سر نیچے ڈالے باہر بنچ پر بیٹھا تھا۔ کافی دیر کے بعد ڈاکٹر دت باہر آئیں اور بولیں کہ کیس خطرناک معلوم ہوتا ہے۔ لیکن میرے خیال میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ بچہ آپریشن سے نکالنا پڑے گا ــــ اور پھر آپریشن کی تیاریاں ہونے لگیں۔

آپریشن کا ایک ایک لمحہ گراں اس کے لئے دوبھر ہو رہا تھا ــــ بظاہر وہ جتنا الگ تھلگ اور خاموش بیٹھا تھا باطن اتنا ہی بے چین اور بے قرار تھا۔

وہ دیوی عورت ..... اس کی بیوی ..... اس کی پناہ گاہ تھی۔ وہ نہ جانے کس کس دکھ سے گھبرا کر اس کے پاس پہنچا تھا ..... اور آج وہ نہ جانے کس کے بچے کو جنم دے رہی تھی

شاید وہ اسے پسند نہیں کرتی تھی۔ شاید وہ کسی اور سے محبت کرتی تھی۔ یا شاید اس کے عاشقوں کی کوئی تعداد ہی نہیں تھی۔ شاید وہ بدکار تھی۔ شاید یہ محض ایک جذباتی اور کمزور لمحے کا نتیجہ تھا...... لیکن اتنے مہینوں تک وہ اپنے منہ سے اس بارے میں ایک لفظ بھی کیوں نہیں کہہ سکی۔ اس نے اپنی صفائی دینے کی کوشش کیوں نہیں کی...... درحقیقت اسے اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ وہ اسے اس قدر ہیچ سمجھتی تھی کہ اس نے اس سے اس کے بارے میں کچھ کہنا یا نہ کہنا برابر سمجھا......

کیلاش کا ذہن کھول رہا تھا۔

اتنے میں ڈاکٹر دت باہر آئیں "مسٹر کیلاش مجھے بے حد افسوس ہے کہ......"

کیلاش نے سر اوپر اٹھایا...... "لفظ" کیا اس کے حلق میں سے نکل نہیں سکا۔ البتہ اس کے پھیکے اور ڈھیلے ہونٹ لرز کر رہ گئے......

"بچہ مردہ پیدا ہوا ہے" یہ کہہ کر ڈاکٹر دت نے ہمدردی سے کیلاش کی جانب دیکھا اور پھر قدرے تامل کے بعد بوجھل آواز اور مایوس کن لہجے میں بولیں۔

"زچہ کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے"

ڈاکٹر کیلاش کی بیوی کو بھی نہ بچا سکے۔

وہ ماہ پارہ صابن کے حسین و جمیل بلبلے کے مانند فضا میں ایک لمحہ کے لئے ابھر کر تحلیل ہو گئی۔

ناجائز بچے اور بے وفا بیوی دونوں سے اس طرح پیچھا چھوٹ جانے سے کیلاش کے ذہن سے ایک طرح بوجھ سا ہٹ گیا۔ لیکن بعد ازاں اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی

بد روح اس کے جسم میں گھر کر گئی ہو۔ مرحومہ اس کی بیوی کی حیثیت سے گنہگار سہی مگر ایسا اس کے سینے میں دل نہیں تھا۔ دل میں جذبات کے کیسے کیسے طوفان نہ اٹھتے ہوں گے۔ نہ جانے وہ کس منزل تک پہنچنا چاہتی تھی۔ صد افسوس اس نے منہ سے ایک لفظ تک نہیں کہا اور نہ اس راز پر سے پردہ اٹھایا۔

پھر وہ اپنے خیالات اور احساسات کا تجزیہ کرنے لگا۔ اس کے خیالات جیسے بھی تھے لیکن اس نے بیوی سے ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی جس سے اس کے دل کو رنج ہوا ہو اور پھر اس کی موت میں تو اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ اس نے اسے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔ اس کے باوجود اگر وہ مر گئی تو اس کا کیا قصور!

کچھ روز وہ بے حد پریشانی میں گرفتار رہا۔ ایک بڑے حادثے کے بعد اس نے شادی کی تھی۔ ابھی وہ پورے طور پر سنبھلنے بھی نہیں پایا تھا کہ بیوی نے اسے ایک ایسا جذباتی دھکا دیا کہ جس سے بڑھ کر اور کوئی دھکا بیوی خاوند کو نہیں دے سکتی۔

پورتن اصل معاملے سے بے خبر تھا۔ وہ صرف یہی سمجھتا تھا کہ بیوی کی اچانک موت نے اس کے دوست کا دل توڑ دیا ہے۔ اس نے گھنٹوں باتیں کر کے تسکین دینے کی کوشش کی۔ اس دن دلشیو کلا مندر والوں کی پہلی فلم جنبا کا مہورت تھا۔ پورتن نے اسے زور دے کر کہا تھا کہ اسے مہورت میں شامل ہونا ہوگا۔ اور وہ خود اسے لینے کے لئے آئے گا۔

جب اس کی بیوی نئی نئی بمبئی میں آئی تھی تو اس کے دم سے اس فلیٹ میں کتنی رونق دکھائی دیتی تھی۔ کمرے کی ہر شے پر اس کے حسن کا پرتو دکھائی دیتا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ یہ تجربہ کا میٹ چند دنوں کی مہمان ہے۔ اس کے دل میں ایک ہوک سی اٹھی۔ کاش!......

ابھی وہ پورے طور سے تیار بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ نیچے سڑک سے پورتن کی کار کا

ہارن کی مخصوص آوازیں سنائی دینے لگیں اور پھر نوتن خود شور مچاتا، پھنکارتا اوپر آن پہنچا۔ "ارے یار! چلونا پہلے ہی دیر ہو گئی ہے"۔

کیلاش نے مسکرا کر اس کی ٹائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں بھئی یہ شعلہ سی ٹائی لگانے میں کیا راز ہے"۔

"کچھ نہیں ..... راز کیا ہوتا ...... ارے شکر ہے کسی بہانے سے تمہارے منہ پر رونق تو آئی ...... بہت دنوں کے بعد مسکرائے ہو آج ......"

مہورت کی رسم کے موقع پر کیلاش کی طبیعت بجھی بجھی سی رہی، دیا ایسے چلتے وقت نوتن نے کہا۔ "تم نے عجب چپ سادھے رکھی۔ میں سمجھ بیٹھا تھا کہ آج تم خوش ہو ـــ پہلا ناٹک اس طرح اپنے آپ کو چتا میں مت جلاؤ۔

کیلاش نے بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔ "اچھا اب کہاں جا رہے ہو ..... مجھے کدھر چھوڑ آؤ نا پہلے"۔

"نہیں ڈیر آج ایک فیملی کو کھانے پر مدعو کیا ہے میں نے۔ تم کو بھی شامل ہونا ہوگا"۔

"ارے نا بھائی میرا موڈ ٹھیک نہیں ہے"۔

"موڈ ٹھیک کرنا ہوگا نہیں۔ دیکھو میری آبرو رکھ لینا۔ میں نے تمہاری ذہانت، دانشوری اور لطیفہ گوئی کی بہت تعریف کر رکھی ہے ان کے سامنے"۔

"میری جان نہ پہچان ـــ کیوں فضول میں پریشان کرتے ہو مجھے"۔

"اخاہ! وہی ڈاکٹر راجن ہیں جن سے ایک دفعہ ریستوراں میں ملاقات ہوئی تھی سرسری سہی۔ کوئی تین ساڑھے تین مہینے کی بات ہی تو ہے ..... ارے وہی کماؤں والے ڈاکٹر راجن"۔؟

کیلاش کو کچھ کچھ یاد آرہا تھا۔ اگرچہ وہ جانا نہیں چاہتا تھا لیکن نوتن سے بحث کرنا فضول سمجھ کر چپ ہو رہا۔

گھر پہنچے تو ڈاکٹر راجن کو مع بیوی اور بہن کے اپنا منتظر پایا۔ ڈاکٹر صاحب نوتن کو دیکھتے ہی بولے ۔

" لو بھئی اسے کہتے ہیں مدعی سست گواہ چست ۔ مہمان گھر پر تشریف فرما ہیں اور جناب میزبان آگے آگے بھاگتے پھر رہے ہیں ۔"

" یار معاف کرنا ...... ایک مہورت میں شامل ہو گئے تھے .... حالانکہ ہم پوری کارروائی میں بھی حصّہ نہیں لے سکے ۔"

فضا مردانہ قہقہوں اور نسوانی آوازوں سے گونج اٹھی ۔

سب لوگ میز کی جانب بڑھے ۔ نوتن نے کہا " میرے دوست کیلاش ہیں ۔ آپ ان سے تین یا ساڑھے تین ماہ پہلے متعارف ہو چکے ہیں ۔ اس کے بعد آپ لوگ واپس چلے گئے ۔ اچھا کب تک رہنے کا ارادہ ہے ۔"

ڈاکٹر صاحب بولے " اب کے تین چار ماہ لگ جائیں گے ۔"

" یہ تو بہت اچھی بات ہے ۔"

کیلاش نے دیکھا کہ ڈاکٹر لگ بھگ اٹھائیس برس کا جوان اور خوش رو شخص ہے ۔ اس کی گوری چٹی بیوی بھی دلکش صورت کی مالک تھی ۔ اس کی اونچی ذرا اوپر کی جانب سے کمان کی طرح بل کھائی ہوئی ناک اس بات کی شاہد تھی کہ وہ خاص خاندان کی فرد تھی ۔ ان کا بچہ بھی خوبصورت اور پیارا تھا ۔

ڈاکٹر کی بہن کرن بلا کی حسین تھی ۔ میک اپ سے مبرّا سادہ پوشاک میں اس

کا حسن پھوٹا پڑتا تھا۔ بالخصوص اس کے گلابی ہونٹوں پر جنگلی گلاب کی کلیوں کا دھوکا ہوتا تھا
فضا اس قدر خوشگوار تھی کہ کیلاش کھڑی بھر کو اپنے غم بھلا بیٹھا۔

جب وہ چہکا تو منھ سے پھول جھڑنے لگے اور سب لوگ اس کی باتوں سے بیحد محظوظ ہوئے۔ کرن کا مارے ہنسی کے برا حال ہو گیا۔ وہ تو گویا کھلکھلا کر ہنسنے کے لیے محض ایک حیلے بلکہ اشارے کی منتظر معلوم ہوتی تھی

انھیں دنوں پنجاب سے فسادات کی خبریں آنے لگیں۔ شروع شروع میں تو انہیں کوئی اہمیت نہیں دی گئی لیکن تقسیم کے بعد بڑے پیمانے پر فسادات کی اطلاعات آنے پر کیلاش کو والدین کی فکر لاحق ہوئی۔ شروع اگست ۱۹۴۷ء میں وہ پنجاب جانے کی تیاریاں کر رہا تھا کہ والد کا خط ملا۔

برخوردار کیلاش! جیتے رہو۔

تمہیں اطلاعاً چند سطور لکھ رہا ہوں کہ تم پنجاب آنے کی کوشش نہ کرنا۔ میں نے احتیاطاً چند ماہ پیشتر دہلی میں ایک مکان اور ایک دوکان کرائے پر لے لی تھی۔ کچھ سامان بھی وہاں پہنچا دیا تھا۔ اب ہم بھی پنجاب سے بصد دشواری نکل آئے ہیں۔ بینک کا روپیہ بھی ٹرانسفر ہو گیا ہے لیکن افسوس ہے کہ ذاتی مکان اور زمین کا کچھ انتظام نہ کر سکے ۔۔۔۔ باقی گھر کے لوگ بالکل خیریت سے ہیں فکر کی کوئی بات نہیں۔ بہو کے شورگ باش ہو جانے سے تمہاری ماتاجی بہت اداس رہتی تھیں اور پھر اوپر سے دیگر مصیبتیں۔ اگر ہو سکے تو تم دہلی میں آکر مل جاؤ۔

شرماجی کے خاندان کا کچھ پتہ نہیں چلا۔ ابھی تک لاہور میں حالات بگڑ رہے ہیں۔ میں نے انہیں خط ڈال دیا تھا۔ آتی دفعہ لاہور نہیں اتر سکے۔ کیونکہ فضا بہت بگڑی ہوئی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ پہلے ہی چلے آئے ہوں۔ صحیح خبر کا ابھی انتظار ہے ۔۔۔"

تمہارا: والد

یہ خط پاکر کیلاش کے دل کو گونا تسکین حاصل ہوئی اور اس نے جواب میں لکھا کہ ایک ہفتہ کے بعد آؤں گا۔

جب وہ دہلی پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ وہاں کی دنیا میں ایک انقلاب آچکا ہے پنجاب میں فرقہ وارانہ بربریت کی آگ بھڑک اٹھی تھی جس کی آنچ دہلی تک محسوس ہونے لگی تھی۔

ماں کو بہو کے مرجانے کا بے حد رنج تھا اپنے نوجوان بیٹے کے رنڈوے ہو جانے سے اس کے دل میں ہول پڑ رہا تھا اس نے دبی زبان سے دوسری شادی کا ذکر کر دیا لیکن کیلاش نے منہ پھیر لیا اور چپ ہو رہا۔ ابھی وہ اسی قسم کی باتیں سوچنے تک کے موڈ میں نہیں تھا شرماجی کے خاندان کی اس وقت تک کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اس سلسلے میں کیلاش نے ماں سے پوچھا "کیا یہ بات صحیح ہے کہ اوشا کے خاوند نے اسے گھر سے نکال دیا تھا اور وہ لڑکیوں کے اسکول میں نوکری کر کے اپنا پیٹ پال رہی تھی۔"

ماں نے جواب دیا "نہیں بیٹا یہ خیال غلط ہے جہاں تک میں نے سنا ہے اوشا کے سسرال والے تو اس کی بہت تعریف کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بڑی اصیل لڑکی ہے۔ ہم نے یہ [illegible] نے نوکری کر لی ہے لیکن یہ خبر غلط ہے کہ کہ اسے گھر سے نکال دیا گیا ہے۔ اگر ایسی ویسی کوئی بات ہوتی تو ڈھکی چھپی رہتی۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اس کے ابھی تک کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ شاید اس سے پتی پتنی میں کچھ نااتفاقی ہو گئی ہو۔"

دہلی سے لوٹ کر بمبئی آئے مہینہ گزرا ہوگا کہ تسل کی ایک طویل چٹھی موصول ہوئی۔ لکھا تھا

ڈیئر کیلاش!

چند دن گذرے کہ مجھے تمہارے دہلی آنے کی خبر ملی۔ تم آئے اور چلے گئے۔ میں اسی دم سے

تمہیں چٹھی لکھنے کی فکر میں تھا لیکن جس آفسوس کا سامنا ہے ان کی موجودگی میں یہ خط نہ لکھ سکنا کوئی گناہ نہیں ہے اور شاید کچھ دن اور اسی طرح نکل جاتے لیکن آج دوپہر میں نے ایک ایسی خبر سنی ہے جسے تم تک پہنچانا بہت ضروری ہے۔

آج کل میں دہلی میں ہوں حقیقت یہ ہے کہ پنجاب سے جو شریف آدمی بھاگتا ہے دہلی آن کر ہی دم لیتا ہے۔ ایک آدمی جو کچھ دنوں فسادیوں کے نرغے میں رہ چکا ہے مجھے ملا اور اس نے اوشا کی بابت مندرجہ ذیل واقعہ بہت طول دے کر سنایا تھا جسے مختصر طور سے لکھ رہا ہوں۔

یہ شخص اوشا کے سسرال میں رہتا تھا۔ آج سے ڈیڑھ مہینے پہلے وہاں کی فضا بھی بہت خراب ہو گئی۔ اقلیت کو اپنی عزت اور آبرو تک خطرے میں دکھائی دینے لگی۔ سارے صوبے میں جنگ وجدل کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ چنانچہ اس چھوٹے سے قصبے کی باری بھی آن پہنچی — حالات ایسے تھے کہ وہاں سے بھاگ کر نکلنا بھی مشکل تھا اور وہاں رہنا بھی ناممکن۔ ایک روز مذہبی دیوانوں نے حملہ بول دیا۔ اس میں جو کچھ ہوا اسے قلم بیان نہیں کر سکتا — اوشا کے خاوند کو قتل کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ کیونکہ وہ جن سنگھ کا ممبر تھا۔ ان کے گھر والوں میں سے کوئی نہیں بچا۔ صرف اوشا کو مع دیگر نوجوان عورتوں کے وہ اپنے ہمراہ لے گئے۔ انہیں دنوں ایک مرد تھا یعنی یہی واقعہ سنانے والا۔ اسے زندہ لے جانے میں مصلحت یہ تھی کہ اس کے بارے میں انکا خیال یہ تھا کہ اسے قصبے کے ساہوکار کے دبے ہوئے خزانے کا علم تھا۔ وہاں سے لیجا کر اسے ہر روز بے دردی سے پیٹا جاتا تھا۔ حالانکہ اس بیچارے کو کسی مدفون خزانے کا علم نہیں تھا۔

اوشا اور دیگر عورتوں کی ان کے سامنے متعدد بار بے حرمتی کی گئی۔ ادھر ان عورتوں کی یہ حالت ہوگئی ادھر یہ سنا گیا کہ ہندو یونین کے سپاہی پاکستانی افسروں کی مدد سے اغوا شدہ عورتوں کو برآمد کرتے پھر رہے ہیں تو ایک چاندنی رات میں ان سب

عورتوں کو کھیتوں میں لے جا کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

اسی رات اس شخص کو وہاں سے فرار ہونے کا موقع مل گیا.....

کیلاش اور آگے خط نہیں پڑھ سکا......

ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ ہوا میں خنکی تھی اور کیلاش کان کوٹ کے اٹھے ہوئے کالروں میں چھپائے سیٹی بجاتا ایک کشادہ بازار میں سے چلا جا رہا تھا۔ آج کل وہ اپنے آپ سے جنگ کر رہا تھا۔ اوشا کی موت کی خبر سن کر اس کا دل بجھ گیا تھا۔ اب زندگی میں اسے کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس نے سمجھ لیا تھا کہ انسانی زندگی دکھوں کا ایک پلندہ ہے جیتے جی انسان کو سکھ کی امید نہیں رکھنی چاہیئے۔ مر جانے کے بعد جو ہو سو ہو۔ بعض اوقات جب اسے اس طرح محسوس ہوتا جیسے وہ پاگل ہو جائے گا تو وہ سیٹی بجانے لگتا یا بازاروں میں گھومنے لگتا یا کسی بارونق ریستوران میں بیٹھ کر وقت گزارتا۔

اسے اوشا کی وفات کی خبر ملے دو ہفتے سے اوپر گزر چکے تھے لیکن ابھی تک اس کے حواس ٹھکانے نہیں تھے۔ مثلاً وہ بالکل بھول گیا تھا کہ آج اسے نوتن کے ہمراہ ڈاکٹر رابن کے یہاں ڈنر کھانے کے لئے جانا تھا۔

روبی ایک چھوٹا سا ریستوراں تھا۔ لیکن ایسا چھوٹا بھی نہ تھا۔ اس میں پچاس کے قریب میزیں تھیں جس کا مطلب تھا کہ وہاں دو سو آدمی آسانی سے بیک وقت بیٹھ سکتے تھے

کیلاش اندر داخل ہوا اور ایک کونے میں گوشہ گیر ہو کر بیٹھ گیا۔ یہ ریستوراں اور یہ اس کا مخصوص گوشہ کیلاش اور نوتن دونوں کو بہت پسند تھا..... لیکن ان دنوں پنجاب کے فسادات ہر گفتگو کا موضوع بنے ہوئے تھے۔ اس سے کیلاش کو اور زیادہ الجھن محسوس ہوتی تھی۔

ہال کے بیچ میں ایک چائے پارٹی ہو رہی تھی۔ شامل ہونے والوں میں لڑکے بھی شامل تھے اور لڑکیاں بھی۔

دفعتاً ایک صاحب آ بیٹھے۔ گورا رنگ، اونچی ناک، ٹھوڑی پر داڑھی سی فرنچ کٹ، دانتوں میں سگار، ہاتھ میں گوگلز۔ پہلے انہوں نے کھانس کر نہ صرف گلا صاف کیا بلکہ لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کیا اور پھر یوں تقریر کرنے لگے۔

"ساتھیو! ان دنوں ہمارے ملک میں خون کی جو ندیاں مذہب کے نام پہ بہائی جا رہی ہیں یہ ہندوستان کی پیشانی پر ایسا کلنک کا ٹیکا ہے جو اپنی بدنامی کی وجہ سے اس چھوٹے براعظم کے رہنے والے ہر انسان کا سر رہتی دنیا تک نیچا رکھے گا۔ لیکن اہل بصیرت کو پہلے ہی سے اس خونی ہولی کی خبر تھی۔

جن لوگوں نے انگریز سرمایہ داروں کی ذہنیت کا مطالعہ کیا ہے وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ ایک روز ان کی ریشہ دوانیاں رنگ لائیں گی لیکن محض انگریزوں پر الزام دھرنے سے ہمارے کندھوں سے ذمہ داری کا بوجھ ہلکا نہیں ہو جاتا ہے۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جہالت بربریت، مذہبی تنگ نظری اور تعصب کے لحاظ سے ہم دنیا کی غیر متمدن اقوام سے بھی گرے ہوئے ہیں ــــ اس وقت میں اس سلسلے میں زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن مجھے اپنے دوستوں کو اس بات کا احساس دلانا ہے کہ ہمارا ملک دنیا کا غریب ترین ملک ہے۔ دنیا میں مٹھی بھر دولت مند انسانوں نے اپنے بھائیوں کے بھوک کے مارے ہوئے ڈھانچوں پر جگمگاتے ہوئے محل کھڑے کئے ہیں۔ پسینہ کہیں اور بہتا ہے اور حلوہ پراٹھا کہیں اور بنتا ہے۔ سب روز کی محنت سے مالکان کوئی ہوتا ہے اور مسرّت و اطمینان کے قہقہے کوئی اور بلند کرتا ہے ــــ دیش آزاد ہوا ــــ اب کسان بھی آزاد ہونا چاہئے ــــ اب مزدور بھی آزاد ہونا چاہیے ــــ اب گلیوں میں گھومنے

دالاعام انسان بھی آزاد ہونا چاہیئے ـــــ اس موقع پر نوجوانوں کو کمر ہمت باندھنی چاہیئے۔ آزادی بوڑھے لیڈروں کی محنت اور نوجوانوں کی قربانیوں سے حاصل ہوئی ـــــ اور آزادی کی برکتیں لانے کے لیئے نوجوانوں کو خود ہمت کرنی چاہیئے ـــ کیا اب بھی کوئی ایسا نوجوان ہے جو ہندوستان کے کروڑہا انسانوں کی بھوک اور پیاس سے بیخبر ہے . . "

یہاں پر کیلاش کو یوں محسوس ہوا جیسے مقرر کا روئے سخن خاص اس کی جانب ہے .... اس کی آواز گونج رہی تھی .... جو زندگی کے تلخ حقائق سے چشم پوشی کر کے خیالی نابسائے بیٹھا ہے جو ہماری بھوکی پیاسی لڑکھڑاتی چیختی چلاتی زندگی کی آہ و بکا اس کان سے سن اس کان سے اُڑا رہا ہے تو میں ایسے نوجوان کو جھنجھوڑ کر جگا دینا چاہتا ہوں ...."

ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

بات معمولی تھی لیکن کیلاش کے دل و دماغ پر اس کا گہرا اور خوشگوار اثر مرتب ہوا

چائے پینے کے بعد اس نے دیکھا کہ دعوتیں کے مرغولوں میں نوتن اور ڈاکٹر راجن اُسی کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ نوتن نے اسے دیکھتے ہی نعرہ لگایا "آخر ڈھونڈھ لیا نا انہیں" علیک سلیک کے بعد ڈاکٹر راجن نے کہا "آپ نہ ملتے تو ہمارے ڈنر کا لطف بالکل ہی جاتا رہتا۔ کرن اب بھی آپ کی باتیں یاد کرتی ہے تو لوٹ پوٹ ہو جاتی ہے۔"

کیلاش اٹھا اور ان کے ساتھ ہو لیا۔

کرن نے دروازے پر ہی ان کا استقبال کیا۔

ڈاکٹر راجن بولے "کرن انہیں، ساری بمبئی چھان مارنے کے بعد تلاش کر کے لائے ہیں اب تو ہمیں کچھ انعام ۱۲۱ چاہیئے۔"

کرن کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی " یہ اپنا انسا [illegible] ان کے دم سے محفل میں رونق اور رنگینی پیدا ہو گی تو آپ کی ساری تکان دور ہو جائے گی "

" دیکھا مسٹر کیلاش میں نہ کہتا تھا کہ کرن تمہاری بڑی مداح ہے۔ اس نے تمہاری دو تین کتابیں بھی پڑھ ڈالی ہیں۔ اس لئے قائل ہو گئی ہے "

ڈاکٹر راجن کے خاندان کے ساتھ کیلاش کی خاصی بے تکلفی ہو گئی تھی۔ کیلاش اپنی لطیفہ گوئی اور بذلہ سنجی کے باعث ان میں خاصا مقبول اور محبوب ہو چکا تھا۔ شب و روز اگرچہ ایک کانٹا سا دل میں کھٹکا کرتا تھا تاہم جب کبھی محفلوں میں بیٹھتا تو پرانی خوش طبعی عود کر آتی۔

سگریٹ وغیرہ جلانے کے بعد وہ لوگ صوفوں میں دھنس گئے۔ نوتن نے دھواں اڑا کر پوچھا " اب یہ بتاؤ کہ کھانے میں کتنی دیر باقی ہے ـــــ ہماری تو آنتیں ٹوٹ رہی ہیں مارے بھوک کے ۔۔۔۔۔؟ "

مسز راجن بولیں " معاف کیجئے گا یہ ہوٹل ہے اپنا گھر ہوتا تو آپ کو ایک منٹ میں کھلا دیتی "

ڈاکٹر صاحب نے کہا " ارے چھوڑو بھی اس سے معافی مانگتی ہو۔ اسے ہم سے زیادہ بھوک تو نہیں لگی ہے نا "

" ارے واہ ڈاکٹر! مجھے پاگل کتے کی طرح دوڑایا تم نے ساری بمبئی میں کہتے تھے یار کیلاش کے بغیر لطف نہیں آئے گا۔ ادھر اسے دیکھو۔ اس کی خاطر ہم ہلکان ہو گئے ہیں اور وہ کیسے بیٹھا ہے چپک مار کے "

کرن کام سے باہر گئی تھی۔ اندر داخل ہوتے وقت اس نے نوتن کی بات سن لی۔ چمک کر بولی " بھئی انہیں مت چھیڑو بیچارے آپ ہی پریشان ہیں "

نوتن ایسا سنہرا موقع ہاتھ سے کب دینے والا تھا بولا نت ۔۔۔۔۔ ناں بھئی کوئی کچھ نہ کہے میرے دیوانے کو"

اس پر زوردار قہقہہ بلند ہوا ۔ کیلاش بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا ۔"

سب لوگ یہی سمجھتے تھے کہ بیوی کی موت نے کیلاش کو پریشان کر رکھا ہے ۔ دیگر واقعات کا انہیں علم نہیں تھا چنانچہ وہ اس کا دل بہلانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے

ایسے ہی ڈاکٹر نے کیلاش سے کہا ۔۔۔۔ ایک بات کہوں

"کہئے !"

"آپ ہمارے ساتھ کماؤں چلئے دو تین ماہ کے لئے ـــ یوں مایا داس بننے سے کیا فائدہ ـــ روپیہ کمانے کے لئے ساری عمر پڑی ہے ۔"

کیلاش ہنسا " وہاں کیا رکھا ہے ذرا تفصیل سے بتائیے ۔"

کرن بول اٹھی " اجی آپ کی ساری اداسی غائب ہو جائے گی ۔ بلکہ میں تو دعوے سے کہہ سکتی ہوں کہ آپ کا واپس آنے کو تو دل نہیں چاہے گا ۔"

"آخر میں بھی تو سنوں کہ وہاں ایسی کیا کشش ہے ۔" کیلاش نے ہنستے ہوئے پوچھا

ڈاکٹر نے جواب دیا ۔" دیکھو مسٹر میں ڈاکٹر ہوں ۔ میری رائے میں وہاں جانا تمہاری صحت کے لئے مفید ہوگا ۔ بڑی پُر فضا جگہ ہے ۔ تہذیب و تمدن سے بہت دور جہاں قدرت اپنے اصلی روپ میں دکھائی دیتی ہے ۔۔۔۔۔"

بے شک بے شک ۔" کرن نے بچوں کی طرح تالی بجا کر کہا ۔

کیلاش ذرا سنبھل کر بولا " اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ بعض اوقات ماحول کی تبدیلی سے انسان کی طبیعت میں فرق آجاتا ہے ۔ شلاً آج دوپہر کو میری طبیعت اداس تھی پھر اا

میں ایک جوشیلے نوجوان کی تقریر سن کر میں نے یوں محسوس کیا جیسے میرا ماحول ہی بدل گیا ہو۔ اس نے بعض ایسی باتوں کی جانب توجہ مبذول کردی جس طرف کہ میرا دھیان بہت کم گیا تھا......"

"قطع کلام معاف" ڈاکٹر صاحب بول اٹھے" میں نے بھی اس کی تقریر سنی تھی۔ میرا خیال یہ ہے کہ اس وقت ہمیں عمل کے میدان میں آنے کی ضرورت ہے۔

"بائی دی وے.... آپ وہاں کرتے کیا ہیں" کیلاش نے دریافت کیا۔

ڈاکٹر نے قدرے توقف کے بعد کہنا شروع کیا۔ آپ نے بڑی دلچسپ بات دریافت کی ہے سنئے، طالب علمی کے زمانے ہی سے میری توجہ ان مسائل کی جانب مبذول ہو گئی تھی۔ میں نے ملک کی آزادی کی تحریک میں بہت زور شور سے حصّہ بھی لیا۔ لیکن رفتہ رفتہ مجھے ایک اور بات کا شعور بھی پیدا ہونے لگا کہ ملک کے پس ماندہ باشندوں کے لئے جب تک ہم عملی طور پر ان کے درمیان رہ کر کچھ نہ کریں گے تب تک زندگی کو خوبصورت بنانے کا جو خواب ہم دیکھا کرتے ہیں وہ کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔ یہ بات میرے دل میں کچھ اس طرح سے جڑ پکڑ گئی کہ میں نے اس کی تفصیلات پر غور کرنا شروع کر دیا۔ میرے ہم خیال دوست بعض مجبوریوں کے باعث اس تحریک میں عملی حصّہ نہ لے سکے۔ میں نے تن تنہا اس کام کو انجام پر پہنچانے کا بیڑا اٹھا لیا....

ایم بی بی ایس پاس کرنے کے بعد میں نے وہاں ایک اسپتال کھول دیا ہے۔ میلوں تک پھیلے ہوئے دیہات کے لوگ اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔ بچوں کے علاوہ بالغوں کے لئے بھی ہم نے اسکول کھولا ہے۔ علاوہ ازیں کھیتی باڑی میں دیہاتیوں کو سہولتیں بہم پہنچانا ان کے دلوں میں قومی یکجہتی کا جذبہ پیدا کرنا و دیگر مسائل ہمارے زیر نظر ہیں۔ یہ درست ہے کہ ہمیں وہاں بہت سادہ زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ ہم کئی سہولتوں سے بھی محروم ہیں لیکن ملک کے ایک ٹکڑے کے باشندوں میں نئی تعلیم پھیلانے اور انہیں نئے زمانے اور نئی اقدار سے روشناس

کرانے کی تمنا تھی، وہاں سے ملنے نہیں دیتی "

یہ باتیں سن کر کیلاش چند لمحوں تک ایک مخصوص کیفیت میں ڈوب گیا۔ پھر سب کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا "آپ مجھے دو تین ماہ کے لئے کیوں مدعو کرتے ہیں ۔ ہمیشہ کیلئے کیوں نہیں بلا لیتے" اس پر ڈاکٹر مسکراتے ہوئے بولا۔ "سچ" کرن بھی گلاب کی طرح کھل اٹھی۔

بمبئی ترک کر کے ڈاکٹر راجن کے ہمراہ چلے چلنے کا خیال دفعتاً ہی کیلاش کے ذہن میں آیا۔ ڈاکٹر راجن کے ساتھ تفصیلی گفتگو کرنے سے یہ بات صاف ہو گئی کہ چند ہزار روپے کی امداد ملنے پر اتنی آمدنی ضرور ہو جائیگی کہ جس سے اس کی بنیادی ضرورتیں پوری ہو سکیں۔ کیونکہ وہ ڈبوں میں پھل محفوظ کر کے انہیں ملک بھر میں بھیجنے کا کاروبار بھی کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں خالص شہد، گھی اور مکھن کا کام شروع کرنے کی اسکیم بھی زیر غور تھی۔ کیلاش کے پاس روپیہ موجود تھا اور ان حالات میں یہ بہترین تجویز معلوم ہوتی تھی ۔ مندرجہ بالا گفتگو کے چند روز بعد کیلاش ڈاکٹر راجن اور اس کے مختصر خاندان کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھا کماؤں کی جانب جا رہا تھا

کماؤں کے علاقے میں آئے ہوئے کیلاش کو آٹھ ماہ گزر چکے تھے۔ دریائے لوہا گھاٹ سے دو فرلانگ پرے چند چھپر والے مکانات بنے ہوئے تھے۔ اس علاقے میں تمام جھونپڑوں سے یہ مکانات قدرے مختلف تھے ۔ ان مکانات یا جھونپڑوں کو لوگ دیہاتی کوٹھی کہتے تھے۔ کیلاش نے اپنا جھونپڑا الگ بنوالیا۔ یہ مکان یا جھونپڑا بالکل سیدھا سادا بنا ہوا تھا۔ باہر برآمدہ اندر دو کمرے، باورچی خانہ، غسل خانہ اور اسٹور روم یعنی کیلاش کی ضروریات کے لیے کافی تھا۔

اسکول اور اسپتال کے لیے بھی الگ مکانات بنے ہوئے تھے۔ ان سب

مکانوں پر بہت زیادہ روپیہ خرچ نہیں ہوا تھا۔ سمینٹ، پتھر، لکڑی اور مزدوری وغیرہ میں سے کوئی شے مہنگی نہیں پڑی۔ اسکول اور اسپتال کے باعث وہاں کافی رونق رہتی تھی۔ ڈاکٹر راجن کو اس علاقے کا بچہ بچہ جانتا تھا۔ ان لوگوں کے دل میں اس کے لئے بڑا احترام تھا۔ اسکول میں برائے نام فیس وصول کی جاتی تھی۔ اس سلسلے میں بھی انہوں نے کافی ڈھیل دے رکھی تھی۔ ان کا رویہ یہ تھا کہ لڑکے کو پڑھنے کا موقع دیا جائے خواہ اس سے فیس ملے یا نہ ملے اسی طرح اسپتال بھی تقریباً خیراتی تھا۔ ہر مریض کو دوا دی جاتی تھی خواہ وہ اس کی معمولی قیمت دے یا نہ دے۔

اسپتال کا سارا کام ڈاکٹر راجن نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا اور اسکول کا سارا انتظام مسز راجن اور کرن کے سپرد تھا لیکن وہ ایک دوسرے کے کاموں میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔

کیلاش نے اسکول اور دیگر متفرق کاموں میں ان کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا۔ جب سے وہ وہاں آیا تھا اس کی طبیعت سنبھل گئی تھی۔ یقیناً پچھلے ماحول سے نکل آنا اس کے حق میں بہتر ثابت ہوا۔ دکھ اور تکلیف میں ڈوب کر ابھر آنے سے اس کی روح اور ذہن روشن سا ہو گیا تھا۔ دل کے اندر بیٹھا ہوا درد بعض اوقات ٹیس مارتا ضرور تھا۔ لیکن اس میں وہ شدت نہیں رہی تھی۔ اور پھر زندگی کو مردانہ وار بسر کرنے کا اس نے تہیہ کر لیا تھا۔

وہ سب اپنے چند ملازموں سمیت ایک بڑے خاندان کی مانند گھل مل کر زندگی بسر کر رہے تھے۔ مسز راجن اور کرن ایسی پڑھی لکھی اور سلجھی ہوئی خواتین کی موجودگی بھی کیلاش کے حق میں نعمت سے کم نہیں تھی۔ بالخصوص کرن بیحد محبت کرنے والی لڑکی تھی۔ کیلاش کے گھریلو معاملات تک اس کے زیر غور رہتے۔ وہ ہر روز اس کے گھر آتی۔ ہر تیسرے چوتھے اسے وہاں چائے پیتی یا کھانا کھاتی۔ مسز راجن کو اسکول کے بعد گھریلو کاموں کی جانب توجہ مبذول کرنی

پڑتی تھی۔ البتہ ان دونوں کو ملنے جلنے کی مکمل آزادی دے دی گئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ کرن کو اس کے گھر والوں نے کبھی کیلاش سے وقت بے وقت ملنے جلنے ہنسنے کھیلنے اور سیر سپاٹا کرنے سے منع نہیں کیا تھا۔ ہفتے میں دو دن ایسے بھی ہوتے تھے جب کرن کا سارا وقت کیلاش کے جھونپڑے میں اس کی کتابیں اور کاغذات ٹھکانے سے رکھنے اور کمروں کی ایک ایک شے کی صفائی اور دیگر انتظامات کی دیکھ بھال میں گزرتا ــــ ایسے موقعے تو ہفتے میں ایک دو بار ہی آتے تھے جب وہ سب سیر کے لئے اکٹھے نکلتے تھے لیکن کرن اور وہ دونوں تقریباً بلاناغہ شام کی سیر کو دور تک نکل جاتے ان روز روز کی سیروں کے دوران میں وہ خوب باتیں کرتے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ دونوں ذہنی اور جذباتی طور پر ایک دوسرے کے بہت قریب آگئے تھے ... وہ ایک دوسرے کو سمجھنے لگے تھے۔

آج ڈاکٹر کے وہاں سے نوکر یہ اطلاع دینے کے لئے آیا تھا کہ چھوٹی بی بی سیر کو نہیں جا سکیں گی۔ کچھ کام پڑ گیا تھا۔

کیلاش سیر کے لئے تیار کھڑا تھا۔ یہ سن کر برآمدے ہی میں آرام کرسی پر نیم دراز ہو گیا اور پہاڑیوں کی اوٹ میں چھپتے ہوئے سورج کی الوداعی کرنوں کو تاکتے ہوئے اس نے پائپ میں تمباکو بھرا اور اسے ماچس دکھا دی۔

دوسرے روز بھی کیلاش کی کرن سے ملاقات نہیں ہو سکی کیونکہ اسے علی الصبح ڈاکٹر کے ساتھ دوسرے گاؤں جانا پڑ گیا تھا لیکن شام سے پہلے وہ ڈاکٹر سے رخصت لے کر واپس چلا آیا تھا۔ شیو اور غسل سے فارغ ہو کر اس نے نئے کپڑے پہنے اور برآمدے پر کھڑا ہو کر کرن کا انتظار کرنے لگا۔

پائپ کے دھوئیں کے ہلکے پردے میں سے وہ بے چینی سے کرن کے مکان کی جانب

دیکھ رہا تھا جو تقریباً ڈھائی تین فرلانگ کے فاصلے پر واقع تھا۔ ہر لمحہ اسے خیال آتا تھا کہ ابھی نازک بدن کرن شاخِ گل کے مانند لچکتی ہوئی اپنے مکان سے نکلے گی اور ڈھلان پر پر پیچ راستوں پر تیتری کی سی رفتار کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے قریب آن پہنچے گی ـــ اور پھر پیچ و خم کے باریک پردے میں سے کرن رنگین تنکے کے مانند اپنے مکان سے نیچے کو نکلتی ہوئی دکھائی دی اور جب وہ پیچ پگڈنڈی پر چلتی ہوئی اس کی جانب بڑھ رہی تھی تو وہ اسے اپنے تصور سے بھی زیادہ حسین معلوم ہوئی۔

بالآخر وہ اس کے روبرو آن کھڑی ہوئی۔ اس کا چہرہ ہمیشہ کی طرح شگفتہ تھا اور دمکتے ہوئے گلابی ہونٹ شگفتہ تر تھے۔ اس نے معمولی ساڑھی پہن رکھی تھی لیکن اس کی ہیبت قیامت تھی۔ اس کا دم قدر نے بھولا ہوا تھا۔ اس کے نتھنے پھڑک رہے تھے اور چولی اور ساڑھی کے درمیان عریاں گورے پیٹ پر زیر و بم کی کیفیت طاری تھی۔ کیلاش اس کے لچکتے ہوئے بدن کے منظر سے محظوظ ہونے میں اتنا مگن تھا کہ کرن کو چلا کر کہنا پڑا "ارے چلئے نا، آپ کس سوچ میں پڑے ہیں۔

کیلاش نے فلسفیانہ مسکراہٹ کی آڑ لیتے ہوئے کہا "چلو"

"معاف کیجئے" آپ کو انتظار کرنا پڑا۔ میں سمجھ بیٹھی تھی کہ شاید آپ سیر کے وقت تک نہیں لوٹ سکیں گے۔"

کرن نے آگے آگے چلتے ہوئے یہ الفاظ کہے لیکن کیلاش اس کی کمر کے اس عریاں اور گورے حصے کو دیکھنے میں محو تھا جو سرین اور سرکش سینے کے درمیان نازک اور لرزاں پل کی حیثیت رکھتا تھا۔ جوں ہی اسے احساس ہوا کہ اپنی محویت میں اس نے کرن کی بات سن کر بھی جواب نہیں دیا تو اس نے دو چار لمبے ڈگ بھر کر کرن کو جا لیا اور بے اختیار گورے رنگ

کی تھرتھراتی ہوئی کمر کو نرمی سے بازو کے حلقے میں لے لیا اور تھرتھراتے ہوئے شبر گرم پیٹ پر اپنی انگلیاں چھوا دیں۔ پھر معمولی سے قدرے بھدّے انداز میں ہنستے ہوئے بولا" جھوٹی کہیں کی ...تم اچھی طرح جانتی ہو کہ تمہارے ہمراہ سیر کرنے کے لئے میں دنیا کے دوسرے گوشے سے بھی بھاگ کر واپس آجاتا۔"

کرن قدرے کسمسائی۔ پھر کچھ دور تک وہ اسی طرح سے چلتے گئے ...... وہ چپ سی ہو گئی..... کیلاش نے اس کی جانب دیکھنے کی جرأت نہیں کی۔ لیکن اس نے اس کی کمر کے گرد بازو کا نرم حلقہ ڈالے رکھا اور اسے اپنے ہاتھ اور اسکی کنواری کمر کے درمیان پسینے کی ہلکی سی نمی محسوس ہوئی۔

ہر دو جانب مکمل خاموشی طاری تھی...... اور لمحہ بہ لمحہ یہ خاموشی گہری ہوتی جا رہی تھی۔

ڈھلان کے موڑ پر دفعتاً کیلاش کے بازو کے حلقے میں کرن کی کمر زور سے پھڑکی اور پھر وہ بھاگتی ہوئی چند قدم آگے بڑھ گئی اور نقرئی آواز میں بولی" دیکھئے دیکھئے آج کا منظر کتنا خوبصورت ہے۔"

یہ کہہ کر اس نے ہنس کر طرح گردن موڑ کر اپنی مڑی لیکن قدرے بھیلی بھیلی آنکھوں سے دھیرے دھیرے آگے بڑھتے ہوئے کیلاش کی جانب دیکھا۔

سامنے اٹھتی لچکتی پہاڑیوں کے دامن میں سرسبز و شاداب وادی پھیلی ہوئی تھی۔ اور ڈھلانوں پر بسے ہوئے چھوٹے چھوٹے گاؤں یوں دکھائی دیتے تھے جیسے کسی شخص نے ہاتھ بڑھا کر پانسہ پھینکا ہو اور نیلی نیلی کوڑیاں لا پرا ادھر ادھر بکھر گئی ہوں۔ رات کا گہرا سایہ زمین کی جانب بڑھ رہا تھا اور ڈوبتے ہوئے سورج کی برش کے مانند کرنوں نے پہاڑیوں کی چوٹیوں کو مدھم نارنجی رنگ میں رنگ دیا تھا۔ اس ماحول میں کرن اس خاکی دنیا

کی مخلوق معلوم ہو رہی تھی ۔

" ہاں واقعی بہت خوبصورت منظر ہے " کیلاش نے بھاری آواز میں جواب دیا وہ آگے بڑھتے چلے گئے ۔ یہاں تک کہ وہ اپنی محبوب چٹان کے قریب پہنچ گئے ۔ کرن حسب معمول اس پر چڑھ کر بیٹھ گئی ۔

ہوائیں جنگلی پھولوں اور پتوں کی بو اور گھنے جنگلوں کی نمی گھل مل گئی تھیں ....
ہلکی دھوپ کی چادر پہاڑیوں کے سروں سے کھسکتی جا رہی تھی ۔ جوں جوں روشنی کم ہو رہی تھی توں توں کرن کے چہرے کی دمک نمایاں ہوتی جا رہی تھی ۔

پہلے تو کرن نے روز کی طرح چہک چہک کر باتیں کرنے کی کوشش کی لیکن پھر کیلاش کی نظروں میں نہ جانے اسے کیا دکھائی دیا کہ وہ چپ ہو گئی اور قدرے تامل کے بعد بولی ۔ " اب واپس چلیں ۔ "

لیکن پیشتر اس کے کہ وہ اٹھتی کیلاش نے وحشی جانور کی طرح جھپٹ کر اس کی کمر کو بازوؤں میں لے لیا اور اس انداز سے جھکا کہ وہ نیم دراز ہو گئی ۔ اپنے بوجھ تلے اس نے اسے بے حد قریب سے دیکھا اس کی نیم وا آنکھیں ، تمتماتے ہوئے گال ، شگفتہ ہونٹ ، ناگن زلفیں ـــــ اس قدر قریب سے بھی اس کا حسن بے عیب اور مکمل دکھائی دے رہا تھا ۔

اس کی آنکھیں ملیں اور یکبارگی کرن اس کی گرفت سے آزاد ہو گئی اور چٹان سے کود کر بھاگ نکلی ۔ اس نے کرن کو پیڑوں کے بیچ میں سے سرسراتے ہوئے سانپ کے مانند پگڈنڈی پر بھاگتے ہوئے دیکھا ـــــ اور پھر ایک نامعلوم سی نقاہت اس کے بدن کے جوڑ جوڑ میں سما گئی ۔ قدرے تامل کے بعد وہ اٹھا اور اس نے نہایت کمزور آواز میں دو تین بار " کرن کرن " کہہ کر اسے پکارا لیکن کرن اس کی جانب توجہ کئے بغیر بھاگتی ہوئی اندھیرے میں تحلیل ہو گئی

اُس رات کیلاش بہت بے چین رہا۔

کرن کی حسین لیکن پھٹی پھٹی آنکھوں میں اس کی غیر متوقع حرکت سے جو حیرت اور کرب ہویدا ہوا تھا، اسے یاد کر کے اس کے دل میں رہ رہ کر ہوک سی اٹھتی۔ اس قضیئے کا سب سے زیادہ پریشان کن پہلو یہ تھا کہ اَن جانے طور سے یہ کھچڑی مدتوں اُس کے ذہن میں پکتی رہی تھی جس کا نتیجہ اس جھپٹ کی صورت میں ظاہر ہوا۔ آخر کب سے اس کی نیت بد ہوگئی تھی۔ اس چیز کا وہ تعین نہیں کر سکا۔

دوسرا دن بڑا صاف و شفاف تھا لیکن اس کا سر بے حد بوجھل ہو رہا تھا۔ بستر سے اٹھ کر وہ ایک بے ڈھنگی سی کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔ نہ اس کا نہانے کو دل چاہا تھا نہ شیو کرنے کو۔ گرم چائے کا پیالہ پی کر اس نے قریب پڑے ہوئے انگوچھے سے باچھیں صاف کیں پھر بے دلی سے ایک کتاب کی ورق گردانی کرنے لگا۔ گیارہ بجے کے قریب پتلون اور ٹویڈ کا کوٹ پہن کر وہ گھر سے نکلا۔

سر بھاری پیٹ خالی ذہن پریشان ـــ اُس نے ڈاکٹر کے مکان سے کترا کر نکلنے کی کوشش کی۔ مکان کے اوپر کبوتر منڈلا رہے تھے۔ اسے یہ سماں بہت بھلا معلوم ہوا۔ اس خیال سے کہ ممکن ہے انہیں کرن نے سب کچھ بتا دیا ہو اور نہ جانے وہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہوں۔ لیکن وہ ابھی مکان کے پاس سے گزرنے بھی نہیں پایا تھا کہ اُسے ایک نسوانی آواز سنائی دی " ہلو ـــ کدھر کو "

اس نے نظر اٹھائی۔ یہ مسز راجن کی آواز تھی۔ اسے اس کی آواز میں وہی کھنک اور اطمینان سے لبریز کیفیت محسوس ہوئی۔ وہ دو جملے کہہ کر آگے بڑھ گیا۔ ظاہر ہوا کہ کرن نے گھر میں اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا تھا۔ اس سے اس کا احساس جرم اور شدید ہو گیا ـــ معاً

اسکول کی پھلواری کے قریب اُسے کرن کھڑی دکھائی دی۔ اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا پہلے اس نے چاہا کہ وہ چپکے سے آگے نکل جائے لیکن پھر رہ رک گیا۔ تن اور من کو سرور دینے والی ہلکی دھوپ میں کھڑی کرن بس قدر حسین دکھائی دے رہی تھی اس کے بیش نظر کیلاش کا یہ قصور معاف کیا جا سکتا تھا۔

وہ کچھ دیر تک کھڑا صبح کی اس دیوی کی جانب دیکھا کیا جو اس قدر دن چڑھ جانے پر بھی ہوا میں تحلیل نہیں ہوئی تھی ــــ اس لڑکی نے اس کی زندگی میں کس قدر سکون اور رنگینی پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ کرن نے اس کی جانب نہیں دیکھا ــــ سچ مچ یا شاید جان بوجھ کر۔ اُس نے بھاری آواز میں پکارا "کرن!"

کرن نے سر اٹھایا۔ اس نے چند قدم کے فاصلے پر ایک ملیے شخص کو کھڑا پایا جس کے بال الجھے ہوئے تھے۔ داڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ کپڑے بے ترتیب اور صورت سے بے حد تکان ٹپکتی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے قریب آن کھڑی ہوگئی۔

ہر دو جانب کچھ دیر تک بھدا سا سکوت طاری رہا۔ بالآخر کیلاش نے کہنا شروع کیا ــــ "میں نہیں جانتا مجھے کیا کہنا چاہیے ..... میں ..... میں ..... مجھے کل کی بات کا بیحد افسوس ہے ..... " تامّل کے بعد اس نے پھر کہا "اگر میں نے آپ سے اظہار محبت کیا تو صرف اس لئے کہ آپ کے حسن نے مجھے مجبور کر دیا تھا۔ یہ بات کہنے کی جرأت میں اس لئے کر رہا ہوں کیونکہ آپ پڑھی لکھی اور سمجھدار خاتون ہیں ..... تو ..... اس لحاظ سے اپنے نزدیک میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ..... لیکن مجھے افسوس اس بات کا ہے کہ میں نے وہ حرکت کی جو درحقیقت میں کرنا نہیں چاہتا تھا، میں آپ کی قدر کرتا ہوں ..... اس دعوے کے ثبوت میں میں کوئی دلیل پیش کرنے سے معذور رہوں کیونکہ میں خود نہیں جانتا کہ مجھ سے وہ حرکت سرزد کیونکر ہوئی

......شاید آپ میری اس بات پر تو اعتبار کر سکیں گی کہ میں دیدہ دانستہ کوئی ایسا کام کرنا پسند نہیں کروں گا جس سے آپ کے دل کو ٹھیس پہنچے......"

"شاید مجھے آپ کو یہ یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں آپ سے کس قدر والہانہ محبت کرتی ہوں۔ غالباً آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میری مرضی سے میری منگنی ہو چکی ہے۔ آجکل تعلیم کے سلسلہ میں وہ یورپ گئے ہوئے ہیں۔ جنسی نقطۂ نظر سے عورت کی فطرت کے لحاظ سے اوروں کی رائے جو کچھ بھی ہو لیکن میرا ذاتی نقطۂ نظر یہ ہے کہ میں اپنے پسندیدہ آدمی ہی شخص کے ساتھ زندگی بسر کرنا پسند کروں گی۔ چنانچہ کل والے واقعہ سے مجھے نہ صرف بیحد تعجب بلکہ دکھ بھی ہوا......"

کیلاش نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کی دلی کیفیت کا بخوبی اندازہ لگا سکتا ہوں کہ آپ میری حقیقی مونس اور ہمدرد دوست ثابت ہوئی ہیں۔ لیکن جو کچھ ہوا میں اس کا ذمہ دار ہوں...... میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر مجھے آپ سے عشق ہو گیا ہوتا تو میں نے اسے کبھی قبول کر لیا ہوتا لیکن دراصل مجھے آپ سے عشق نہیں ہے۔ لگاؤ اور محبت ضرور ہے۔ اس کا کارن آپ کے حسن یا گُن کی کمی نہیں، میرے دل کی موجودہ کیفیت ہے۔ میرا دل بجھ چکا ہے۔ ہم دونوں بالکل مختلف علاقوں میں کھڑے ہیں...... بہر کیف مجھے سخت ندامت ہے۔ آپ مجھ سے خفا نہ ہوئیے۔"

"جی نہیں خفگی تو قطعاً ہی نہیں۔ مجھے آپ پر ہمیشہ بھروسہ رہا ہے اور اب بھی ہے۔"

"میرے دل پر اس کا بہت بڑا بوجھ تھا سو اتر گیا...... دیکھئے اب آپ سے ایک درخواست ہے کہ آپ کے رویئے سے آئندہ یہ ظاہر نہ ہونے پائے کہ آپ کے دل کا یہ زخم مندمل نہیں ہوا ورنہ میں سمجھوں گا کہ میں اپنی کھوئی ہوئی بادشاہت پا نہیں سکا۔"

کرن کا رنگ گلنار ہو گیا۔ اس کا سر ایک جانب جھکا اور خوابیدہ زلفیں انگڑائی کر رہ گئیں "ابھی سے کہے دیتی ہوں کل شام کو آپ ہمارے یہاں چائے پی رہے ہیں... میری ایک سہیلی بھی کچھ دنوں کے لئے یہاں رہنے کے لئے آ رہی ہے۔"

۴

کرن کو ناراض کر کے وہ خود کس قدر پریشان تھا اس کا احساس کیلاش کو اس وقت ہوا جب اُن کے تعلقات دوبارہ استوار ہو گئے۔

دوسرے روز چائے کے وقت تک اس نے شیو نہیں کی اور نہ ہی گھر سے باہر نکلا۔ وہ سیٹی بجاتا رہا۔ کسی نامعلوم گیت کے بول گنگناتا رہا اور مسکرا مسکرا کر دل ہی دل میں کہتا رہا۔ بیشک اسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ یہ بڑی نامناسب حرکت تھی۔

اور جب وہ ڈاکٹر کے گھر کے پھاٹک میں داخل ہوا تو کرن شاخِ گل کی طرح لچک کر آگے بڑھی۔ خاموش ہنسی ہنس کر اس نے پہلے کی طرح بے تکلفانہ کہا "آخر آپ آ گئے۔"

"کیوں آپ کیا سمجھے بیٹھی تھیں۔"

"یہی کہ شاید مجھے خود آپ کو منا کر لانا پڑے گا۔"

"منا کر!"

"جی!"

"کیوں؟"

"سوچا شاید آپ خفا ہو گئے ہوں۔"

"ہا ہا ہا...... وہ کیوں؟"

"میرے روٹھ جانے پر۔"

کرن کے قریب پہنچ کر کیلاش رک گیا۔ قدرے تامل کے بعد کہنے لگا۔ "کرن تم بہت تھوڑا اداس ہو ......اس کا بجا طور پر شکوہ کیا جا سکتا ہے...."

کرن نے بڑھ کر گرمجوشی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے اپنی پلکیں جلد جلد جھپکائیں جیسے آنسو پی جانے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر اس نے منہ پھیر کر ہلکے سے ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا "آئیے اندر چلیں باہر کب تک کھڑے رہیئے گا۔"

کیلاش ہنس کر آگے بڑھا "لیکن آج میں خوب کھاؤں پیوں گا۔ میں نے کچھ نہیں کھایا"

"کیوں؟" کرن نے باریک آواز میں دریافت کیا۔

"کل صبح سے غم کے مارے"

"اس کے بعد تو صلح ہو گئی تھی ہماری۔"

"ہاں لیکن پھر خوشی کے مارے کچھ نہیں کھایا۔"

جب دونوں ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے تو کمرہ اُن کے ملے جلے قہقہوں سے گونج اُٹھا۔

"دیکھیئے آج آپ کو ایک ایسی میز پر چائے پلائی جائے گی جس پر میرے ہاتھ کا کاڑھا ہوا میز پوش بچھا ہے۔"

"افوہ......" کیلاش نے جان بوجھ کر حیرت سے منہ پھیلاتے ہوئے کہا۔ "کیا نیا میز پوش ہے۔ بھئی تم تو بہت ہوشیار ہوتی جا رہی ہو۔"

دفعتاً کرن نے گھوم کر کہا "ار.... ہاں میں یہ کہنا تو بھول گئی کہ آج میری ایک ملی"

"جی نہیں آپ نے یہ بات کل ہی کہہ دی تھی۔ البتہ آپ یہ بتانا بھول رہی ہیں کہ آج وہ

آپ کے یہاں پہنچ گئی ہیں یا نہیں ۔"

"جی ہاں آ گئی ہیں ......"

"کیا وہ جلسے میں شامل ہوں گی ۔"

"بے شک "

بید کے بنے ہوئے صوفے میں دھنستا ہوا کیلاش مسکرایا " تو گویا آج ایک ٹکٹ میں دو مزے ہیں ۔"

کرن ہنسی "بیچاری بہت دنوں تک بیمار رہی ہے بلکہ کہنا چاہئے موت کے منھ سے بال بال بچی ہے"

اوہو ...... اب کیسی ہیں ؟"

اب اچھی ہیں

کیلاش نے آگے جھکتے ہوئے پر معنی انداز میں پوچھا " بہت اچھی ہیں کیا ؟"

کرن نے راجکماریوں کے سے وقار سے کیلاش کی جانب دیکھا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا " میرے خیال میں تو بہت اچھی ہیں ۔"

معاً کرن اچھل پڑی " اُف میں تو بھول ہی گئی ...... باغیچے میں ٹماٹر پک گئے ہیں، ورنہ ان کے سینڈوچ تیار کئے جائیں ۔"

"خیال بُرا نہیں "...... اس کا فقرہ مکمل ہونے سے پہلے کرن " اون لکر" رسالہ اس جانب پھینک کر ہوا ہو چکی تھی ۔

چند منٹ تک وہ رسالے کی ورق گردانی کرتا رہا ۔ دفعتاً اسے کسی کے پاؤں کی چاپ سنائی دی ۔ اس نے دبی دبی اٹھتی ہوئی نگاہ سے آنے والے پاؤں کی جانب دیکھا ۔ چند لمحوں بعد معاً پاؤں رک گئے ۔

بے اختیارانہ کیلاش کی آنکھیں اوپر کو اُٹھ گئیں۔ چائے لانے والے کی صورت یک لخت ایک جھلک دکھا کر بادلوں میں روپوش ہو گئی اور پھر چشم زدن میں بادل پھٹ کر الگ ہونے لگے.....

اور چائے کا ٹرے بڑے آواز کے ساتھ فرش پر گرا اور اسکی آواز پر چوں اور پیالوں کے گرنے اور ٹوٹنے کے شور و غل میں ڈوب گئی۔

رات کے گیارہ بجنے کو تھے..... کیلاش بازو پر سر رکھے چت لیٹا تھا۔

دور جنگل سے بھانت بھانت کے جانوروں کی بولیوں سے گھاٹیاں گونج رہی تھیں۔ ایسے ماحول میں مارے دہشت کے شاید کچھ سوچ نہ سکتا۔ لیکن کیلاش چھت پر نظریں جمائے بڑی یکسوئی سے شام کے واقعہ پر غور کر رہا تھا۔

کمرے میں اوشا کی موجودگی ایسی ہی تھی جیسے سپنے کی دیوی میں جان پڑ گئی ہو اور وہ خیالی دنیا سے نکل کر جسم سے حقیقی دنیا میں آن کھڑی ہوئی ہو۔

نظریں ملنے پر ادھر آکر اس پر سکتے کا عالم طاری تھا تو ادھر اس کے ہاتھ سے ٹرے گر پڑا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ کیسے سب لوگ بھاگے بھاگے اندر آئے لیکن جلدی میں کسی نے اس کی جانب توجہ نہیں کی ورنہ جانے کیا سمجھتے۔ سب اوشا کو ہوش میں لانے کی تدبیریں کرنے لگے۔ کرن کی آنکھوں میں آنسو امنڈ آئے تھے۔ ڈاکٹر بہن کو تسلی دینے لگا "پگلی روتی کیوں ہے۔ فکر کی بات نہیں..... یوں ہی کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی"۔

تھوڑی دیر بعد اوشا کو ہوش آگیا۔ وہ اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کے پھیکے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ سب ہنسنے لگے "معاف کیجئے........ میں.... میں"

"ارے نہیں"۔ ڈاکٹر نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا "تمہارا کچھ قصور نہیں ہے... چائے

کے گر جانے کی فکر مت کرو اور آ جائے گی۔"

ان سب میں سے کسی کو اصل حقیقت کا علم نہیں تھا... چنانچہ کرن نے بڑے اہتمام سے دونوں کا تعارف کروایا......

"آپ سے ملئے... یہ آپ مسٹر کیلاش..... ایک عظیم ہستی ....اور آپ ہیں اوشا۔"

"عظیم تر ہستی" کیلاش نے جرات سے کام لے کر کہا۔ اس پر سب لوگ ہنسنے لگے۔

سب کی باتوں اور ہنسی مذاق کے شور میں دو دل بڑی بے چینی سے دھڑک رہے تھے ایک مدت دراز کے بعد ان کی نظریں ملی تھیں۔ اس وقفہ میں وہ کیسے کیسے جوانی منازل سے گزر چکے تھے ...... اوشا کے چہرے سے دوشیزگی کے آثار معدوم ہو چکے تھے اور اس کی جگہ پختگی آ چکی تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں میں عجیب رچاؤ تھا اور ہونٹوں کے ہما تما گوشوں میں عجب تاالم دکھائی دیتا تھا۔

معاً بیٹھے بیٹھے کیلاش کو اوشا کی طلب نے اس قدر بے چین کر دیا کہ ایک مرتبہ تو وہ اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لینے کے لئے بے قرار ہو گیا۔

کیلاش نے بستر پر پڑے پڑے آنکھیں موند لیں۔ اس کے ذہن پر نیم بیہوشی کی سی کیفیت طاری تھی۔ اسے گہری نیند نہیں آئی۔ کبھی دو گھڑی کو سو جاتا۔ پھر جاگ اٹھتا۔ علی الصبح اس نے خواب میں دیکھا کہ جیسے بادلوں کی پہاڑیاں روئی کے گالوں کی مانند فضا میں اڑی جا رہی ہیں...اور ایک دلہن بادلوں کی تہوں میں روپوش ہوتی جا رہی ہے ......وہ مسکرا رہی ہے لیکن اس کے ہونٹ نیلے پڑ گئے ہیں.....کیلاش رونے لگا.... اتنے میں اس کی آنکھ کھل گئی۔

حالانکہ وہ رات بھر اچھی طرح سو نہیں سکا تھا تاہم وہ بالکل چاق و چوبند تھا۔ وہ سیٹی

بجاتا ہوا اٹھا اور اس نے نوکر دوڑایا تاکہ ڈاکٹر صاحب کے وہاں کہہ آئے کہ آج صبح کا ناشتہ وہ انہیں کے ہاں کرے گا۔

نہا دھو کر قدرے چوڑی چوڑی نیلی دھاری کی قمیض اور فلالین کی پتلون اور ہلکا سلیٹی رنگ کا سوٹ پہن کر وہ چھڑی گھماتا ہوا اور آڑی ترچھی پگڈنڈیوں سے ہوتا ہوا ڈاکٹر کے مکان کی جانب بڑھا۔

کرن کا ننھا کتا باغ میں تتلیوں کا پیچھا کر رہا تھا اور کیلاش اس خیال کے تحت کہ آخر وہ بھی تو ایک تتلی کا تعاقب کرنے جا رہا ہے مسکرا دیا۔ معاً نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ اس کی تتلی غسلخانے سے نکل کر برآمدے میں چلتی ہوئی کمرے کے اندر داخل ہونے کو ہے ......

"اوشا!" اس نے بے اختیار آواز دی

اوشا نے گھوم کر بے بس ہرنی کی مانند اس کی جانب دیکھا اور پلکیں جھکالیں۔

کیلاش زور زور سے سانس لے رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کہے اور کیا نہ کہے ..... "اوشا تمہیں زندہ وسلامت دیکھ کر مجھے اپنی زندگی کی بہترین خوشی حاصل ہوئی ہے مجھے ایسے الفاظ نہیں ملتے کہ جن کے ذریعے میں دلی جذبات کا اظہار کر سکوں۔"

اس نے قدرے توقف کیا۔ اوشا نے جواب میں کہا "میں تقریباً مر چکی تھی۔ لیکن چار دن کی زندگی باقی تھی اس لئے بچ نکلی ....."

"چار دن کی زندگی ..... اوشا اب ایسی اداس کر دینے والی بات مت کرو"

"اور کیا کہوں ..... آخر ایک دکھی انسان کب تک زندہ رہ سکتا ہے"

"دکھی!" کیلاش نے اس کا ہاتھ تھام کر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ "اوشا میں کس قدر دکھی رہا ہوں یہ میرا دل ہی جانتا ہے"۔

وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن اوشا کے بوجھل اور گیلے بالوں کی لٹوں سے پانی ٹپک رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں کے گوشے حسب سابق حساس اور متحرک تھے ...... کیلاش نے اسے گیلے کپڑوں اور تولیے سمیت بازوؤں میں سمیٹ لیا اور اپنے جلتے ہوئے ہونٹ اس کی پرنم پلکوں پر رکھ دئیے ...... دونوں کی آنکھیں مند گئیں۔

دفعتاً کھٹکا ہوا اوشا اندر کو بھاگی اور کیلاش باہر کو ...... برآمدے سے کرن چلا کر بولی

"ارے میں آپ کی راہ دیکھ رہی تھی اور آپ یہاں ہیں

کیلاش نے ڈوبتے ہوئے سورج کی دھوپ میں اوشا کو اپنے مکان کے باہر کھڑا پایا ...... وہ تیزی سے بھاگ کر باہر نکلا — کرن کہاں ہے؟"

"وہ نہیں آئیں آج کچھ مصروف تھیں"

یہ کہتے کہتے اوشا نے سانولے سلونے چہرے پر گری ہوئی لٹ کو نازک ہاتھ کی جنبش سے پیچھے ہٹا دیا — ہمیشہ کی طرح اس کی ہنسی کا انداز ناپختہ تھا۔ اس کے دل سے ہنسی اور مسرت کی طوفانی لہریں اٹھتی تھیں۔ لیکن ہونٹوں اور آنکھوں تک پہنچتے پہنچتے نہایت لطیف زیر و بم کی سی کیفیت پیدا ہو کر رہ جاتی تھی۔ اس کے لب پھر ہلے — میں نے سوچا کہ آج میری یہاں آخری شام ہے کیوں آپ کے ساتھ سیر کی سعادت سے محروم رہوں"

"آخری شام" والے الفاظ سن کر کیلاش کا کلیجہ دھک سے رہ گیا تھا۔

اوشا نے اپنا راز عیاں نہیں ہونے دیا تھا۔ اس لئے ان حالات میں زیادہ کھل کر بات چیت نہیں ہو سکی تھی۔ تاہم کیلاش نے اپنا مدعا بیان کرنے کی دو ایک بار کوشش ضرور کی لیکن اوشا نے کبھی کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے معلوم تھا کہ اوشا ایک ماہ کے بعد واپس چلی جائیگی

کیونکہ اب وہ پھر ملازمت کرنے لگی تھی۔

ان دونوں کے مابین ایک بھدا سا سکوت طاری تھا۔ پھر اوشا نے مہر سکوت توڑا۔ "آپ چپ کیوں ہیں۔"

کیلاش نے چپ چاپ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ان کے قدم اور سست پڑ گئے۔ اوشا نے ان گھاٹیوں کی جانب دیکھا جو مدھم دھوپ میں کچھوؤں کی مانند نظر آرہی تھیں معاً کیلاش رک گیا۔ "اوشا میری جانب دیکھو۔" اوشا کی نظریں زمین میں گڑ گئیں۔

"نہیں اوشا سر اٹھاؤ۔"

اوشا نے بمشکل سر اٹھایا۔ کیلاش نے اس کا گول چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور قدرے تامل کے بعد بولا۔ "تم کہتی ہو میں چپ کیوں ہوں لیکن ظالم کیا سچ مچ میں تمہیں خاموش دکھائی دیتا ہوں۔ کیا میری آنکھیں تم سے کچھ نہیں کہتیں۔ کیا میری ایک ایک حرکت سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ کیا میرے بدن کا رواں رواں بلا وجہ جل رہا ہے۔" اوشا کا چہرہ کیلاش کے ہاتھوں میں دمک رہا تھا۔ وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے دیکھ رہی تھی۔

کیلاش نے بے چینی سے سر کو جنبش دے کر کہا "اب کہو تم چپ ہو یا میں۔ تم آئیں تو میں نے نیا جنم پایا یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں، اور تمہیں اس طرح مجھے زندہ سلامت ماننا بے معنی سی بات نہیں ہے۔ تمہیں تو ظالم اپنی دانست میں جان سے مار کر چھوڑ دینے...... لیکن جس طرح ان بدبختوں اور ظالموں کے ہاتھوں تمہاری جان بچی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دنیا میں کسی کو تمہاری ضرورت ہے۔ اور وہ شخص میرے سوا کون ہو سکتا ہے مگر تم کو کیا ہوا کہ تم نے عجب چپ سادھ رکھی ہے...... تمہاری آنکھیں کتنی اداس ہیں کہ مجھے ان کی گہرائی سے ڈر محسوس ہوتا ہے پھر کیلاش نے محسوس کیا کہ اوشا پر نقاہت غالب ہو رہی ہے۔ اس نے فوراً اس کی کمر

بن ہاتھ ڈال کر آگے بڑھا دیا اور دھیرے سے اسے اچھال کر چٹان پر بٹھا دیا اور خود اس کے سامنے نیم دراز ہو کر اس کے چہرے پر سے اس کے بالوں کو پیچھے کی جانب ہٹایا اور پر سکون آواز میں پوچھا۔ "اوشا! اب طبیعت ٹھیک ہے نا؟"

"جی ہاں" اوشا نے زمین کی جانب دیکھتے ہوئے آہستہ سے اپنا سر ہلا دیا کچھ دیر تک وہ اپنے سامنے پھیلے ہوئے منظر کے بارے میں باتیں کرتے رہے اور لطف اندوز ہوتے رہے پھر کیلاش سرک کر اوشا کے بالکل قریب ہو گیا۔ اوشا نے مزاحمت نہ کی اس نے اس کے چہرے سے اس کے بالوں کی لٹوں کو ہٹا دیا اور اسکے ہونٹوں پر پیار کے ساتھ محبت کی پے در پے مہریں ثبت کر دیں۔

اوشا تم یقین نہ کرو گی' اس طویل جدائی کے زمانے میں کوئی ایسا دن' شاید کوئی ایسی رات گزری ہو جب کہ میرا ذہن تمہارے تصور سے خالی رہا ہو۔ درحقیقت میں عشق نہیں فرما رہا تھا مجھے ایک جیون ساتھی کی تلاش تھی ــ یہ طلب آج بھی میری گھٹی میں پڑی ہے۔ لیکن مدت دراز تک میں نہیں سمجھ سکا کہ اصل شئے کیا مطلوب ہے۔ اب سمجھ سکا ہوں کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ میں آج تک اچھی طرح سوچ نہیں سکا' سمجھ نہیں سکا تھا" کیلاش نے قدرے ہکلاتے ہوئے رک رک کر کہنا شروع کیا ــ "اوشا.... تم.... تم بہت پرانے ڈھنگ کی عورت ہو' تمہارا اس قدر بڑھا ہوا انکسار مجھے پسند نہیں تھا۔ اور نہ ہے ...... مجھے تم سے کبھی محبت نہیں ہوئی ہمدردی تھی اور ہے۔"

کیلاش نے نظروں ہی نظروں میں اوشا کی جھکی ہوئی آنکھوں' بند آنکھوں کا جائزہ لیا اور پھر ہنس دیا۔ "تمہاری مجبوری نے میرے دل کو ہمیشہ بے چین اور برباد رکھا اور یوں مکمل تو کوئی انسان بھی نہیں ہے' اچھا اس کو جانے دو........ اب ایک بات بتاؤ ــ"

دونوں کی آنکھیں ایک دوسرے سے ایک لمحہ کے لئے ٹکرائیں کیلاش نے کہا۔ "میں تم سے ایک سیدھا سادا سا سوال کرتا ہوں اس کا جواب دو ۔ بتاؤ کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے؟" معاً اوشا کی آنکھیں پتھرا سی گئیں۔ اس کی آنکھوں میں اداسی اور ملول کی کیفیت دیکھ کر کیلاش گھبرا گیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس نے شاید کوئی غلط سوال کیا ہے۔ "لیکن وہ ۔۔۔۔ وہ ۔۔۔ دراصل"

یکلخت اوشا پھوٹ کر زور زور سے رونے لگی ..... کیلاش کی لاکھ کوشش کے باوجود وہ روتی رہی اور بالآخر چپ بھی ہوئی تو اس طرح کہ اس کی ہچکی اسقدر گہری تھی کہ اس کا تن بدن ہل جاتا تھا ....

"اوشا تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" کیلاش نے پوچھا) آواز میں کہنا شروع کیا۔ "میں اپنے آپ کو قصوروار تصور کرنے لگا ہوں .... سنو .... آؤ ہم دونوں شادی کر لیں ۔"

اوشا نے اسکے شانے پر جھکتے ہوئے بڑی کمزور اور مدھم آواز میں کہا ۔ "مجھے واپس لے چلئے ..... مجھے واپس لے چلئے ۔"

دوسرے روز خوب دن چڑھے جب کیلاش کی آنکھ کھلی تو کھڑکی میں سے سب سے پہلے اسے ڈاکٹر راجن کے گھر کی جانب پیچ و تاب کھا کر جاتی ہوئی پگڈنڈی دکھائی دی جس کے ساتھ اس کے دل کی مسرت انگیز اور اذیت دہ کیفیتیں وابستہ تھیں۔ گزشتہ شام جب اس کی شادی کی درخواست کا اثبات میں جواب دینے کے بجائے اوشا سر پھوڑے چپ چاپ ہلکے ہلکے قدموں سے راجن کے مکان کی جانب روانہ ہو گئی تھی تو یہ پگڈنڈی کس قدر اداس اور سپاٹ دکھائی دیتی تھی۔ لیکن آج صبح تاباں روشنی میں اسی پگڈنڈی میں زندگی کی تڑپ لے جانے کا وعدہ کرتی نظر آتی تھی ۔

کیلاش اسکا نے خیال کے تحت خوش ہوا تھا۔ بعض اوقات مبہم سا خوشگوار جذبہ کسی آنے والے مسرت انگیز واقعہ کی پیشین گوئی کرنے لگتا ہے ۔

وہ پھرتی سے اٹھا جلدی سے شیو کرنے کے بعد نہا دھو کر کپڑے پہنے اور شاداں و فرحاں آشنانِ یار کی جانب بڑھا...... ممکن ہے اس کی باتوں سے بیزار ہو کر، اسے یقین تھا کہ اوشا نے واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا ہوگا...... کرن باغیچے میں سبزی کی کیاریوں میں سے گھاس پھونس صاف کر رہی تھی۔ کیلاش کی غیر متوقع آمد سے اسے تعجب تو ضرور ہوا لیکن وہ بڑی ہوشیاری سے اسے چھپا سکی۔

اس نے علیک سلیک کے بعد نظر بچا کر اندر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں اوشا کی متلاشی تھیں۔ شاید وہ ابھی اندر سے نکلی ہی نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے پوچھا "آپ اکیلی گھوم رہی ہیں؟"

"اور کیا کروں.... اوشا جب تک ٹھہری رہی میرا ساتھ دیتی رہی......"

"کیا آپ کی سہیلی چلی گئی؟"

"جی ہاں...... کیا آپ کو اس بات کا علم نہیں تھا۔"

کیلاش کا دل دھک سے ہو کر رہ گیا۔ ایک بار تو اس کا جی چاہا کہ اوشا کا تعاقب کرے لیکن جذبہ جس قدر تیزی سے ابھرا تھا اسی تیزی سے دب گیا۔ ایک لمحہ کو اسے شک گزرا کہ اوشا کی سازش سے اسے چکمہ دیا جا رہا ہے۔ لیکن جس انداز اور انہماک سے کرن اپنے کام میں مشغول تھی اس سے شک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

کرن نے پھر اپنے مخصوص انداز میں کہا "آپ نہ جانے کس دنیا میں رہتے ہیں۔ اس بات کا تو کئی بار ذکر کیا جا چکا تھا...... حالانکہ ہم نے بہت چاہا کہ وہ کچھ دن اور ٹھہر جائے۔"

کیلاش نے روکھے پن سے کہا "میں نے خیال ہی نہیں کیا۔"

اس کے سوچنے اور بولنے کی قوت سلب ہوتی جا رہی تھی...... دن بھر نہ جانے کہاں کہاں بھٹکنے کے بعد جب وہ اپنے مکان پر پہنچا تو سورج غروب ہو چکا تھا اور رات کی سیاہی

کا غبار پھیلنے لگا تھا۔ ہر چہار جانب سکوت طاری تھا لیکن اس کے مکان کے چھپر سے ٹکے ہوئے چند تنکے زور زور سے ہل رہے تھے جیسے وہ اس بندھن سے آزاد ہو کر کہیں دور بہت دور اُڑ جانا چاہتے ہوں۔

اندر تپائی پر چراغ جل رہا تھا۔ وہ قریب بچھی ہوئی کرسی پر دھڑام سے گر پڑا۔ بوٹوں کے تسمے کھولتے وقت تپائی پر اسے ایک لفافہ دکھائی دیا جسے دیکھ کر اسے تعجب سا ہوا کیونکہ پہلے اس نے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے جلدی سے لفافہ کھولا۔ لکھا تھا۔

"بھاگ کر میں آپ سے دور نہیں جا سکی..... میں کس طرح چھوٹے سے قافلے کی نظروں سے بچ کر واپس بھاگ نکلی..... یہ نہ پوچھئے ——— اب میں کبھی واپس نہ جانے کی قسم کھا کر آئی ہوں۔ میرے پاس وقت کم ہے لیکن مجھے بہت کچھ کہنا ہے اس لئے بے تکلفی کے لئے معاف کیجئے گا ——— پہلے تو میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ پچھلے تقریباً تیس دن میری زندگی کے بہترین دن تھے اور کل شام میں نے آپ کے ساتھ زندگی کے بہترین لمحے گزارے۔

میں نے آپ کے ساتھ شادی کر کے باقی زندگی آپ کے ساتھ گزارنے سے گریز اس لئے کیا کہ جس طرح آپ کو اپنے آپ پر بھروسہ نہیں تھا کہ آیا آپ مجھ سے سچ مچ محبت کرتے ہیں اور جبکہ آپ نے اس قدر زور شور سے محبت کا اظہار کیا اس اظہار محبت میں پیار سے کہیں زیادہ رحم کے جذبے کا احساس ہوا یعنی آپ مجھے قابل محبت نہیں قابل رحم سمجھتے ہیں ..... آپ یہ بھی بھول رہے تھے کہ میری آبرو متعدد بار لوٹی جا چکی ہے۔ پہلے پہل کی گرمجوشی کے بعد نہ جانے کب آپ کو یہ خیال ستانے لگتا کہ مجھے نہ جانے کتنے ظالموں نے بزور خراب کیا ہے۔ آپ ہی کے قول کے مطابق آپ مجھ سے عشق نہیں فرما رہے تھے بلکہ آپ جیون ساتھی کے متلاشی تھے لیکن ادھر میں جیون ساتھی پا کر کھو چکی ہوں۔ آپ کے جیون سا[illegible] الفاظ سن کر [illegible] نے میرے

دل میں آپ کے لئے عجیب قسم کی حقارت کا شدید جذبہ پیدا ہو گیا۔ یہ جیون ساتھی کیا جانا ہوتی ہے۔ آپ نے ان طوفانوں کا خیال کیا ہوتا جو اس ننھے سے دل میں اٹھا کرتے ہیں۔ آپ نے جھگڑوں کی بنا دے دیا ہوتا جو اس دل کے لامحدود بیابانوں میں شب و روز رچا کرتے ہیں۔ آپ کے دل میں اس بے مدا ن کی طلب کیوں نہیں ہے۔ آپ شاید مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں لیکن اگر زیادہ نہیں تو میں آپ کو پرلے درجے کا سادہ لوح سمجھنے پر مجبور ہوں۔ آپ کیا جانیں کہ میں اپنے ایسے غیر شدہ مرد کو محبت کی نیت پر کتنا خوش کر رہی ہوں۔ اب جبکہ میں مر رہی ہوں تو کیوں نہ سب کچھ کہہ ڈالوں۔ ...... سنئے میں آپ سے بے حد خفا ہوں ...... مجھے افسوس ہے کہ مجھے آپ ایسے معمولی انسان سے عشق ہوا ...... لیکن مجھے اعتراف ہے کہ مجھے آپ سے عشق ہے ...... اب میں مر رہی ہوں اور محسوس کر رہی ہوں کہ میری اس طرح کی موت کو آپ کبھی نہیں بھلا سکیں گے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ مجھے کبھی نہ بھلا سکیں۔ بعض اوقات مجھے اپنی یہ خواہش بڑی شیطانی معلوم ہوتی ہے ...... شاید میں اپنے دلی جذبات کا اظہار کرنے سے قطعاً قاصر رہتی ہوں۔ لیکن اگر کسی جذبے کا واضح اظہار نہ کیا جا سکے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس جذبے کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے ...... میں اپنی مرضی سے زہر کھا کر خودکشی کر رہی ہوں۔ اس لئے اس کا الزام کسی اور پر ہرگز عائد نہیں ہوتا!"

کیلاش معاً سنگھے یاؤں اٹھا کھڑا ہوا۔ کرسی الٹ گئی۔ اس نے اونچی آواز سے نوکر کو پکارا۔ اس گلے کی رگیں پھول گئیں اور تپائی پر پڑا ہوا چراغ دھچکا کھا کر ڈگمگانے لگا۔

نوکر گھبرایا ہوا اندر داخل ہوا۔

"یہ چٹھی کہاں سے آئی ہے۔"

ملازم کے چھکے چھوٹ گئے۔ لفافے اور چٹھی کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ تو بی بی جی نے لکھی ہے۔"

"کون بی بی جی؟"

"بی بی اوشا...... وہ جو......"

"کہاں ہیں وہ؟"

"جی اندر سوئی پڑی ہیں۔"

"آخر...اسے دیکھنا پڑے گا۔ اتنا خیال بھی نہیں آیا!" وہ جھپٹ کر اندر داخل ہوا۔ بڑی کھڑکی کے قریب بچھی ہوئی چارپائی پر اوشا آنکھیں موندے چپ چاپ لیٹی تھی۔

بے حد دھندلی روشنی میں اس کا چہرہ چکنی مٹی کا بنا ہوا جان پڑتا تھا۔ بال بڑی بڑی ناگنوں کی صورت میں سانپوں کی طرح اِدھر اُدھر کنڈلی مارے ہوئے تھے، ابرو جو کبھی لچکتی کماں تھے اب بے حس و حرکت تھے۔ ہونٹوں کے گوشے جو کبھی ماہی بے آب کی طرح تڑپتے تھے، اب جامد و ساکن تھے۔ اس کے بازوؤں اور رانوں کی گدرائٹ اور پُر شباب سینے کی گولائیاں جس انداز میں اس وقت نمایاں تھیں پہلے کبھی نہیں ہوئی تھیں۔

لفظ "اوشا" کی آواز کیلاش کے گلے سے ایک وحشی چنگھاڑ کے مانند نکلی اور وہ دہلیز سے بجلی کے کوندے کی طرح بڑھا اور اس کے اوپر جا گرا۔

اوشا نے نقاہت سے سر کو جنبش دی.... اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔ اس نے پہلے دروازے کی جانب دیکھا، جہاں نوکر کھڑا تھا۔ کیلاش نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا اور پھر چلا اٹھا۔ "روشنی! روشنی!!"

نوکر چراغ اُٹھا کر لے آیا۔

"جاؤ!".... کیلاش نے پاگلوں کی طرح کہنا شروع کیا "بھاگ کر جاؤ اور ڈاکٹر راجن کو فوراً بلا لاؤ...... دوڑو۔"

نوکر بھاگا۔ اُسے دُور تک "دوڑو۔ دوڑو" کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔

اب اوشا نے کیلاش کی جانب دیکھا۔ وہ کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی۔ اس کی پلکیں جھپکتی رہیں۔ جیسے وہ اسے پہچاننے کی کوشش کررہی ہو۔ پھر اس کے لبوں پر مبہم سی مسکراہٹ پیدا ہوئی اور اس نے نفی میں سر ہلادیا۔ جیسے کہنا چاہتی ہو کہ اب مرض علاج سے باہر ہوچکا ہے۔

کیلاش نے لرزتے ہوئے ہاتھ سے اس کے چہرے سے بال ایک جانب ہٹا دئیے۔ وہ اس کے چہرے کے خدوخال کو بغور دیکھنے لگا اور سوچنے لگا کہ نہ جانے اس نے کون سا زہر کھایا ہے۔ اس نے بہ منت کہا۔

"اوشا یہ تم نے کیا کیا۔ اس کی کیا ضرورت تھی؟"

جواب میں اوشا نے اس کی جانب خواب ناک نگاہوں سے دیکھا اور کچھ یوں معلوم ہوا جیسے وہ ہاتھ بڑھانا چاہتی ہے۔ کیلاش نے خود ہی بڑھ کر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ وہ ضرورت سے زیادہ جذباتی ہوتا جارہا ہے۔ کیا اتنی مدت تک اس لڑکی کا تصور اس کے ذہن میں جاگزیں رہنا مناسب تھا۔ کیا وہ واقعی ایسی عورت ثابت ہوئی تھی جیسا کہ اس کا تصور اس کے ذہن میں تھا..... وہ کچھ فیصلہ نہ کرسکا۔ خیالات اس کے دماغ میں مبہم پرچھائیوں کی طرح آتے اور چلے جاتے..... وہ خود جیسے نرم نرم ریت میں نیچے دھنستا چلا جارہا تھا.....

ڈاکٹر راجن جب لپکتا ہوا کیلاش کے مکان کے قریب پہنچا تو دھندلی روشنی میں اسے وہ کسی حراں نصیب کے مقبرے کے مانند دکھائی دیا۔ راجن کو دیکھتے ہی کیلاش نے وحشیانہ للکار لگائی۔ "اوہ! راجن اس بیوقوف لڑکی کو بچاؤ کسی طرح۔"

بیس منٹ بعد راجن نے پلٹ کر کیلاش کی جانب رُخ پھیرا جیسے اس نے پہلے کبھی اس حالت میں نہیں دیکھا تھا اور بولا "ابھی میں جو کچھ کر سکتا تھا کر چکا"

کیلاش باہر تک اس کے ساتھ آیا۔ راجن نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بیسوں سوال کر ڈالے۔ لیکن اس نے واپس بھیجنے کے لئے اُسے دھکیلتے ہوئے کہا "اس وقت کچھ مت پوچھو.......بس پرماتما کے لئے بتاؤ کیا وہ بچ جائے گی"

راجن نے قدرے تامل کے بعد کہا "افیون کا کیس ہے۔ وقت زیادہ گذر چکا ہے۔ یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا..... جہاں تک ہو سکے اسے سونے مت دینا"

واپسی پر کیلاش نے پھر دروازے پر تامل کیا۔ زندگی میں اس کا ذہن اس طرح اُوف کبھی نہیں ہوا تھا کمرے کی ہر چیز کس قدر دھندلی، جامد، بے جان اُداس اور غیر حقیقی دکھائی دے رہی تھی.....اس وقت ذہن ایک نقطے پر رُکا ہوا محسوس ہوتا تھا۔

کیلاش چارپائی کی پٹی سے لگ کر بیٹھ گیا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اُسے جھنجھوڑ کر جگانے کی کوشش کی۔ اوشا نے بمشکل بھاری پپوٹوں کو اوپر اٹھایا۔ اس کی پتلیاں گھوم کر اس کے چہرے پر آ کر رک گئیں۔

وقت گزر رہا تھا۔ کیلاش نے بڑی مستعدی سے اسے جگائے رکھنے کی کوشش جاری رکھی۔ وہ اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا۔ وہ اسے یقین دلاتا رہا کہ وہ اُسے مرنے نہیں دے گا۔ اسے یقین دلانے کے بعد اپنے دل کو یقین دلانے لگتا کہ اوشا نہیں مرے گی۔

اب رات کا آخری پہر تھا۔

باتیں کر کر کے کیلاش کے ہونٹ تھک گئے تھے۔ اوشا زبان خاموشی سے اُسے سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ دائمی نیند کو زیادہ عرصے تک ٹالا نہیں جا سکتا۔

اوشا نے ایک بار بڑے غور سے کیلاش کو دیکھنے کی کوشش کی۔ کیلاش کے ہونٹ اور آنکھیں یوں دکھائی دیتی تھیں جیسے لکڑی کے بے زبان کندے میں تراش کر بنائی گئی ہوں۔ اوشا نے بمشکل تمام اس کا کالے اور گھنے بالوں سے ڈھکا ہوا سر بازوؤں میں لیکر اپنے سینے پر رکھ لیا۔ کیلاش نے مزاحمت نہیں کی۔ اس نے اپنے دل میں کہا "اوشا تمہارے جوبن کے ابھار اور گداز سے کون انکار کر سکتا ہے؟"

وہ کچھ دیر تک ان گولائیوں کی سرکشی کو نیم باز آنکھوں سے دیکھتا رہا... پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

اور اوشا کے پرشباب اور قیامت خیز سینے کا زیر و بم کم ہوتے ہوتے بالکل معدوم ہو گیا۔

وسیع آسمان گہرے اور گدلے پانی کے عریض دریا کے مانند دکھائی دے رہا تھا جو دھیمی لیکن مستحکم رفتار سے بہہ رہا ہو اور ستارے بتاشوں کی طرح سطح آب پر تیر رہے ہوں بڑا سا زرد چاند ایک بے برگ و بار پیڑ کی ٹنڈ منڈ آڑی ترچھی ٹہنیوں میں اُلجھا ہوا تھا۔

— / 60

اردو پاکٹ بکس کی نئی کتابیں

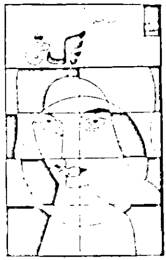

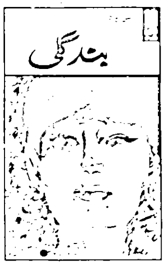

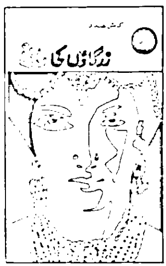

اعلیٰ معیار
عمدہ انتخاب
بہترین ادب

کا قابلِ اعتماد نشان

اردو پاکٹ بکس کے قیام کا مقصد نہ صرف اردو کے بلند پایہ مشاہیر کے شاہکار پیش کرنا ہے بلکہ ملکی او غیر ملکی زبانوں کے مفید و مقبول اور گراں مایہ ادب جاسوسی اور رومانی ناول، افسانے ڈرامے شاعری، طنز و مزاح، سیاحت، علم و سائنس اخلاقیات، جنسیات وغیرہ کو اردو کا لباس پہنا کر ارزاں قیمت پر اہلِ ذوق حضرات تک پہنچانا ہے۔

آپ اچھی کتابیں پسند کرتے ہیں ○ ہم اچھی کتابیں شائع کرتے ہیں

اردو پاکٹ بکس کی نئی پیشکش

طبی تصانیف روپے

ڈاکٹر ایم اے نادولی کی کتب
استقاط حمل کا علاج
بواسیر کا علاج
ذیابیطس کا علاج
لیکوریا کا علاج
اینٹی بائیوٹک ڈرگز
رموز نباضی
وٹامن سے علاج
امراض شکم کا علاج
ڈاکٹر ایس۔ پی مہتاب کی تصانیف
یپی رون کا علاج
لہسن ہزاروں بیماریوں کا علاج
پریکٹس، مریض اور آمدنی بڑھانے کا راز
اسٹیتھسکوپ گائیڈ
دمہ کا علاج
کان، ناک اور گلے کا علاج
بلڈ ڈونلے ایک سو امراض کا علاج
مردانہ امراض کی کامیاب دوائیں
سنیاسیوں کے جادو اثر تجربات
روحانی علاج
دردوں کا علاج
آنکھوں کی کامیاب دوائیں
ناگہانی حادثہ اور امراض
قدرتی علاج کے معجزے
مرگی کا علاج
ڈاکٹر نرائن کی تصانیف
ایلوپیتھک مکسچر
پنسلین گائیڈ
ڈاکٹری دوائیوں کے نام مولے
جادو اثر دوائیں
ڈینٹل سرجری
بنا اور تھرمامیٹر
رفیق ہومیوپیتھی
معجزہ دکھانے والی ہومیوپیتھک دوائیں
لب لباب بائیوکیمک علاج
جرمن ڈاکٹری
شوسلر کی بائیوکیمک ادویات

دیگر ڈاکٹری تصانیف روپے

دل کی بیماریاں
جگر کے امراض
مٹاپا کم کیجیے تندرست رہیے
برتھ کنٹرول کا قدرتی علاج
پتہ کے عوارض کا قدرتی علاج
سو سال زندہ رہیے
حمل سے وضع حمل تک
عینک لگانا چھوڑیے
اپنا وزن بڑھایئے
معدے کے السر کا قدرتی علاج
قبض، بواسیر، پیٹ کے درد کا علاج
بے خوابی کا قدرتی علاج
ہرنیا (آنت اترنے) سے نجات پایئے
کینسر بچاؤ کے طریقے
ہکلانا چھوڑیے
گنج پن کا قدرتی علاج
زنانہ امراض کا ہومیوپیتھک علاج
سل و دق کا علاج
بچوں کے امراض کا ہومیوپیتھک علاج
سلفا ڈرگز
پیسہ پیسہ کی کامیاب دوائیں
بچوں کی دوائیاں
جنسی سوالات اور جوابات
قبض اور اس کا علاج
بالوں کے امراض اور ان کا علاج
شیرہ (گڑ) کے کرشمے
پیٹنٹ ادویات
پرانے سر درد کا قدرتی علاج
شہد کے کرشمے
جلدی بیماریوں کا قدرتی علاج
کیل مہاسوں سے نجات پایئے
گردے کی تکالیف کا قدرتی علاج
پرانے نزلہ، زکام سے نجات پایئے
امراض و علاج
مخزن چار طب (تمام امراض کا علاج)
گلے کے غدود کا بلغیر آپریشن علاج
جوڑوں کے درد (گٹھیا) کا علاج

اسلامیات روپے

سیرت غوث الاعظمؒ
واقعات الصالحینؒ
حضرت خالد بن ولیدؓ
سیرت خلفاء راشدینؓ
سیرت آل عباسؓ
روحانیات کے تاجدار
اسباب زوال مسلم
طارق بن زیادؒ
میاں بیوی کے حقوق و فرائض
نغمہ ربانی

ناول ہی ناول

عظیم مصنفین کے ناول
ہانگ کانگ کی حسینہ
بن بیاہی ماں
میلی چاندنی
سورت اور آبشار
دل کی دنیا
ایک معمولی لڑکی
نروگاؤں کی رانی
قتل کا راز (جاسوسی)
خلش
ناگ منی
سرخ لٹیرا (جاسوسی)
فسانہ عجائب
عورتوں کا شکاری (جاسوسی)
بند گلی
جگنو اور ستارے
روس کے عظیم ناول
انگریزی کے عظیم ناول
طوفانوں کی گود میں
جوگیا (رومانی افسانے)
پتنگ (رومانی افسانے)
کانچ کے ٹکڑے (طنزیہ افسانے)
مہمان (طنزیہ افسانے)
ہوس کی پجارن (جاسوسی)

متفرقات روپے

کرکٹ کھیلنا سیکھیے
یوگا (باتصویر)
ہپناٹزم گائیڈ
علم نفسیات
احساس کمتری سے نجات پایئے
قوت ارادی بڑھایئے
رہنمائے پامسٹری (باتصویر)
رموز دست شناسی (باتصویر)
ہم سب اور وہ
ہماری عادتیں اور جذبات
اپنا قد بڑھایئے (باتصویر)
راہنمائے فوٹوگرافی
کراٹے گائیڈ (باتصویر)
انمول موتی (ندیم، قوال)
خواب کیا کہتے ہیں
دوست بنانے کا فن
امتحان میں کامیابی کا راز

نفسیات جنسیات

ڈاکٹر لکشمی نارائن کی تصانیف
عورت مرد
جنسی مسائل
میاں بیوی کے جنسی تعلقات
جنسی تعلقات کے عجیب و غریب پہلو
برتھ کنٹرول (باتصویر)
جنسی مشورے
محبت اور شادی
خاوند بیوی
ڈاکٹر غلام جیلانی کی تصانیف
دولہا دلہن کا ملاپ
جنسی طاقت میں اضافہ
جنسی ملاپ میں مرد کا حصہ
مردانہ امراض (باتصویر)
زنانہ امراض (باتصویر)
سہاگ رات
فیملی پلاننگ

بڑھیا کاغذ، نفیس ترین کتابت، حسین رنگوں سے مع ٹائٹل اور موضوع کے اعتبار سے بہترین کتابوں کا سیٹ ایک خط لکھ کر آج ہی اپنی پسندیدہ کتب منگوائیں۔

ڈاک سے منگوانے کا پتہ

اردو پاکٹ بکس پاکستان کراچی